لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم ۔۔۔ ۴   فون نمبر رہائش ۔۔۔ ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۷   مدیر   جمادی الثانی ۔ ۱۳۹۲ھ

شمارہ : ۱۰   سمیع الحق   جولائی ۔ ۱۹۷۲ء

اس شمارے میں

ناشر : سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ ۔۔۔ مقام اشاعت : دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

طابع : منظور عام پریس پشاور ۔۔۔ پرنٹر : محمد شریف ۔۔۔ کتابت : اصغر حسن

مغربی و مشرقی پاکستان سے سالانہ ۸/ روپے   فی پرچہ ۷۵ پیسے   غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ ہوائی ڈاک دو پونڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز

قادیانیت کی روز افزوں سرگرمیوں کی وجہ سے پاکستان کو جن خطرات کا سامنا ہے، پچھلے شمارہ میں ہم نے اس پر مختصراً روشنی ڈالی تھی۔ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ملت مسلمہ مرزائی سازشوں اور کوششوں کی وجہ سے افتراق و انتشار کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ ایک مستقل تحریک، مستقل مذہب، مستقل تشخص کی بناء پر اور پھر اپنے ماننے والوں کے سوا پورے عالم اسلام کو قطعی کافر، ملحد اور جہنمی سمجھنے کی وجہ سے، وقت کی اولین ضرورت ہے کہ اسے مسلمانوں سے قطعی الگ ایک اقلیتی فرقہ قرار دیدیا جائے اور ہر اسلامی ملک کے آئین میں ایک رنگ واضح غیر مبہم تشخص اور تعریف کی جائے یہ مسئلہ پورے پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام، سربراہان اسلام اور دنیا کے تمام دینی اداروں اور افراد کے غور و فکر کا محتاج ہے۔ اور عالمی سطح پر مسلمانوں کو اس شجرۂ خبیثہ کے بارے میں فوری اقدامات کرنے ہیں جسکی وجہ سے افریقہ کے دور دراز کے ریگستانوں، عرب کے صحراؤں اور یورپ کے سبزہ زاروں میں مسلمان کود کود کر آگ کی بھٹی میں جا رہے ہیں۔ یا پھر تبلیغ اور دعوت اسلام کی ستھری اور پر فریب دام زریں میں آکر اسلام کے متلاشی ایک کفر سے نکل کر دوسرے کفر میں پھنس جاتے ہیں۔ اس میں ہماری کوتاہ دستیوں اور بے ہمتیوں کا جتنا حصہ ہے وہ بھی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ لیکن بہرحال وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ نہ صرف پاکستان کی سطح پر، بلکہ پورا عالم اسلام اپنے اپنے دائرہ میں اور اپنے دائرہ سے باہر یورپ اور غیر مسلم ممالک افریقہ وغیرہ میں قادیانیت کے تعاقب اور لوگوں کو اس کی حقیقت سے باخبر کرنے کی ذمہ داری سنبھالے۔ پھر پاکستان، جو ایک عظیم اسلامی ریاست ہونے کی وجہ سے غیر مسلم اقوام بشمول اسرائیل و یورپ کے عزائم خبیثہ کا خاص مرکز بنا ہوا ہے۔ اور قادیانیت ہی ان اقوام کی آلہ کار بن رہی ہے۔ اس لئے لازمی ہے۔ کہ اس کے خلاف نہایت مؤثر اقدام کرتے ہوئے قادیانیوں کو قطعی کافر قرار دیکر اسے اقلیت قرار

دے دیا جائے۔ اس کی دعوتی اور تبلیغی اور درپردہ نیم فوجی قسم کی تنظیموں اور سیاسی قسم کے مشاغل پہ پابندی لگادی جائے۔ مرزائیوں کو تمام اہم مناصب بالخصوص فوج کی کلیدی آسامیوں سے الگ کر دیا جائے۔ کہ نہ تو وہ جہاد کے اہل ہیں نہ اسے جائز سمجھتے ہیں، نہ مسلمانوں کو مسلمان، اور نہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست۔ اس طرح بحیثیت ایک مسلمان مملکت کے ضروری ہے کہ عالم اسلام کے تمام ذمہ داروں اور سربراہوں کو قادیانیت کی حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے اور جہاں جہاں اس کے مشن کام کر رہے ہیں، اسکی تحقیق کی جائے۔ اسلامی ممالک کے سفراء کا بھی بحیثیت مسلمان فرض ہے کہ قادیانیت کے بارہ میں پوری معلومات سے اپنے اپنے ممالک کو آگاہ کر دیں۔

اس ضمن میں یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پاکستان سے اسلامی ممالک لیبیا، قطر وغیرہ کے لئے جن پاکستانیوں کی بھرتی کی جاتی ہے۔ ان کے بارہ میں پوری تحقیق اور تسلی کرائی جائے کہ کیا "مسلمان" کے روپ میں کوئی غیر مسلم قادیانی تو ملازمت کے سہارے جا کر ان ممالک کو قادیانی ریشہ دوانیوں کا مرکز نہیں بنائے گا کیونکہ ایسے لوگوں کی اہم اور اولین ڈیوٹی یہی ہوتی ہے۔

پاکستان میں جو اسلامی ادارے، انجمنیں اور ختم نبوت سے دلچسپی رکھنے والے ذمہ دار علماء حضرات ہیں، انہیں اس سلسلہ میں ان سفارتخانوں کو ضروری معلومات سے آگاہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرح ان ممالک میں جانے والے جن حضرات کے مرزائی ہونے کا علم ہو جائے اس سے بھی اپنا فرض دینی ادا کرتے ہوئے حکومت پاکستان اور متعلقہ سفارتخانوں کو بروقت آگاہ کرنا چاہیئے۔ الغرض ملک کی سالمیت کا نہایت اہم تقاضا ہے۔ کہ مرزائیت کو اپنے غور و فکر اور جد و جہد کا نشانہ بنا دیا جائے۔ اسی میں ملک و ملت کی فلاح ہے، اسی میں آقائے ختم المرسلین کی خوشنودگی ہے۔ اور یہی خداوند کریم کی رحمتوں کا ذریعہ ہے۔

———★———

اس ضمن میں حکومت صوبہ سرحد پر ایک خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اب جبکہ

اللہ تعالیٰ نے قائد جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کو وزارت علیا کے منصب پر فائز کر کے ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور وہ نہایت تدبّر و تحمّل، احساس ذمہ داری اور دیانتداری سے اس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف ہیں اخلاقی اور سماجی اصلاحات ہو رہی ہیں بتدریج و تیسیر حکمت اسلامی کے ساتھ معاشرہ کو اسلامی خطوط پر ڈالا جا رہا ہے۔ تو قادیانیت کی سرکوبی کے سلسلہ میں بھی جمعیۃ اور نیپ کی حکومت پورے پاکستان اور عالم اسلام کیلئے نمونہ ثابت ہو سکتی ہے۔ شراب ام الخبائث ہے مگر قادیانیت پوری ملت مسلمہ کیلئے اس سے بڑا درجہ اخبث الخبائث، وہ اعمال کی دشمن یہ عقائد کی موت، وہ جان لیوا تو یہ ایمان سوز۔ اسلئے شراب کی طرح اولین فرصت میں صوبہ سرحد کی حدود میں مرزائیوں کی سرگرمیوں پر قطعی پابندی لگا دینی چاہیئے۔ اسے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہماری صوبائی اسمبلیاں مرکز سے بھی اس سلسلہ میں قراردادوں کے ذریعہ مطالبہ کر سکتی ہیں۔ یہاں مرزائی لٹریچر کو ضبط کیا جا سکتا ہے۔ الغرض ہر لحاظ سے ان کے ساتھ کافر، مرتد یا کم از کم اہل ذمہ جیسا سلوک کیا جانا چاہیئے یہاں یہ اقدامات ہوں تو انشاءاللہ پورے پاکستان سے اسکی تائید میں آوازیں اٹھیں گی۔ اور اردو کی حمایت اور شراب پر پابندی کیطرح اس کی پیروی سارے صوبوں میں کی جائے گی۔ خداوند کریم نے ایک موقعہ جمعیۃ العلماء اسلام کو عطا فرمایا ہے۔ تو ایک جرأت مومنانہ کیساتھ آقائے دوجہاں سرور کائنات ؐ کی ناموس کے تحفظ کیلئے میدان میں اتر کر ہر ممکن اور حتی المقدور قدم اٹھانا چاہیئے اسطرح حضورؐ کی خوشنودگی شامل حال ہو گی، اور خدا کی رحمتیں بھی۔

نیپ کے اولوالعزم قائد خان عبدالولی خان اس سلسلہ میں نہایت اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ناموس ختم نبوت کا علم اٹھایا، اور پاکستان کے وجود کو اس شجرۂ خبیثہ سے نجات دلانے کیلئے یہاں جمعیۃ العلماء اسلام کا ساتھ دیا تو پورا پاکستان انہیں سر آنکھوں پر بٹھائے گا۔ اور انکی قیادت کو چار چاند لگ سکیں گے۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے قابلِ فخر رہنما حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اپنے دائرہ اختیار میں ان معروضات پر ضرور غور فرمائیں گے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

دعوات عبدیت و حق
پشاور یونیورسٹی میں کی گئی تقریر

ارشادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
ضبط و ترتیب : ادارہ الحق

رسول کریمؐ کی حقانیت اور صداقت

سیرت طیبہ کے چند اہم پہلو

علمی، عملی اور عرفانی زندگی

★

یہ تقریر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ۲۵ر اپریل بروز منگل اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی کے روس کیپل ہال میں اجتماع سیرت سے ارشاد فرمائی۔ نہ صرف ہال گیلریوں سمیت کھچا کھچ بھرا تھا بلکہ باہر بھی کافی تعداد میں سامعین ہمہ تن گوش بنے رہے۔ یونیورسٹی کے طلباء نے پورے وقار اور متانت سے پوری تقریر سنی، وائس چانسلر کے علاوہ یونیورسٹی کے دیگر اہم شعبوں کے تمام افراد بھی موجود تھے۔ (ادارہ)

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ (اللہ ہی ہے جس نے بھیجا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے جو پڑھتا ان کو اسکی آیتیں اور ان کو سنوارتا اور ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا اور اس سے پہلے وہ لوگ صریح بھلاوے میں تھے۔)

—— میں آپ حضرات کا از حد شکر گذار ہوں کہ آپ نے اس بابرکت اجتماع میں ناچیز جیسے کم سمجھ اور ضعیف الشان کو شرکت کا موقع عطا فرمایا۔ جہاں حضور اقدسؐ کا ذکر ہو وہاں خدا اور ملائکہ کی طرف سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی۔ ارشاد خداوندی ہے تو آپ جیسے ماہرین علوم جدیدہ و قدیم کے مجمع میں مجھ جیسے ناکارہ اور ناسمجھ انسان کچھ کہہ تو نہیں سکتا۔ پھر قلب اور اعصاب کا بھی مریض ہوں، اس لئے بار بار معذرت کی مگر ان حضرات

کا اصرار تھا کہ صرف دعا کیلئے شرکت فرمادیں، کچھ کہنا نہیں۔ لیکن یہاں حاضری کے بعد جب حکم ہوا کہ کچھ عرض کروں چند منٹ کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ تو تین باتوں کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے تین پہلوؤں پر کچھ گذارش کرنی ہے۔ علمی زندگی، عملی زندگی یعنی قول اور عمل گفتار اور کردار میں یگانگت اور تیسری بات عرفانی اور احسانی زندگی، کہ اللہ کی محبوبیت کا مقام حضورؐ کے اتباع ہی سے مل سکتا ہے۔۔۔۔۔ تو پہلی بات یہ عرض کرنی ہے کہ حضورِ اقدسؐ خداوند کریم کی جانب سے ساری دنیا کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے۔ ارشادِ خداوندی ہے: وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین۔ نیز فرمایا: وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا۔ اور فرمایا کہ ہم نے حضورؐ کو بھیجا، لیکون للعالمین نذیرا۔ تاکہ وہ سارے جہانوں کیلئے ڈرانے والا ہو، جن وانس اور قیامت تک آنے والی مخلوق کے لئے ڈرانے والا۔ یہاں چونکہ مجمع اہل علم کا ہے۔ اس لئے پہلی بات حضورؐ کی علمی شان اور جامعیت کے بارہ میں عرض کرنی ہے۔

دیکھیے علوم کے مختلف شعبے ہیں۔ ہر شعبہ پر حکومت اور ملک کروڑوں روپے خرچ کرتی ہے۔ تاکہ قوم میں اس شعبے کے علماء پیدا ہوں اور ایک ایک شعبے میں چند افراد کو ماہر بناتے کیلئے کتنے ماہرین جمع کئے جاتے ہیں۔ سائنس ہو، جغرافیہ ہو، ریاضی ہو، حساب ہو گرامر ہو ادب ہو کس قدر عملہ ہے اساتذہ کا جو تربیت اور تعلیم میں لگا رہتا ہے۔ اس طرح آپ حضرات کو معلوم ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن کے علوم تمام عمر بیان کئے جائیں، ایک آیت کی تفاسیر عجائبات اور نکتے بھی قیامت تک ختم نہیں ہوتے۔ واللہ العظیم۔ ایک حدیث کی تشریح کے لئے بھی عمر چاہیئے وہ ذاتِ اقدس جن کی زبان سے اللہ نے اعلان کرادیا اور پوری علمی دنیا کو یہ چیلنج دیا گیا کہ:

قل لئن اجتمعت الانس والجن	کہہ دے کہ اگر انس اور جن جمع ہو کر کوشش
علی ان یأتوا بمثل ھذا القرآن	کریں کہ اس جیسا قرآن لادیں تو نہیں لا
لایأتون بمثلہ ولو کان بعضھم	سکیں گے۔ اگرچہ سب ایک دوسرے
لبعض ظھیرا۔	کی مدد کریں۔

آج بھی آپ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ حضورؐ کے علوم کو تنقیدی نگاہ سے پرکھنے کے لئے مخالفین کی کتنی کوششیں ہو رہی ہیں۔ ادارے، اکیڈمیاں اور کمیٹیاں اس غرض

سے قائم ہیں۔ ریسرچ اور مستشرقین کے نام سے کروڑوں روپیہ آج بھی خرچ ہوتا ہے۔ کہ اسلام کے کسی حکم کسی مسئلہ کسی قانون اور حضورؐ کی تعلیمات کے کسی گوشہ پر اعتراض کر سکیں لیکن جیساکہ آفتاب ہاتھ سے نہیں چھپ سکتا۔ قرآن و حدیث کی حقانیت اور اسلام کی صداقت چودہ سو برس پہلے جیسے تھی آج بھی الحمدللہ ایک نکتہ ایک حرف میں فرق نہیں آیا، کوئی سقم نہیں نکلا۔ اور اگر ہوتا تو یہ نام کے سہی لیکن ۸۰ کروڑ مسلمان روئے زمین پر نہ ہوتے۔ تو علوم تو ایسے حقیقی جامع اور اٹل مگر تعلیم و تربیت کے پہلو پر نظر ڈالیں جس علاقہ میں پیدا ہوئے وہ تھا ہی وادی غیر ذرع (بنجر اور بے آب و گیاہ سرزمین) والد کا سایہ ولادت سے پہلے اٹھ گیا، تھوڑے عرصہ بعد والدہ کا بھی انتقال ہوا۔ پھر دادا بھی جدا ہو گئے۔ تو جتنے مربی ہو سکتے، والدہ، والد، دادا سب انتقال کر گئے اور صرف چچا رہ گئے اس لئے یتیم ابوطالب کے نام سے مشہور ہوئے اس کے بعد بچپن بکریاں چرانے میں گذرا۔ بلوغ کے بعد مدتوں تک شام گئے نہ دیگر بلاد میں آنا جانا ہوا۔ جیساکہ ہم پھرتے گھومتے بھی تحقیقات کر لیتے ہیں۔ معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ آپ کو یہ مواقع بھی میسر نہ ہو سکے۔ پھر جہاں آپ تھے وہاں نہ کالج نہ سکول نہ یونیورسٹی نہ مدرسہ نہ دارالعلوم، پرائمری اور مڈل تک بھی کوئی ادارہ نہیں تھا۔ اور جب وحی نازل ہونے کا زمانہ قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے جو علیم ہیں اور چاہتے تھے کہ کل کوئی مخالف یہ نہ کہے کہ حضورؐ نے کسی انسان سے یہ علوم سیکھے ۶ مہینے تک لوگوں سے یکلخت الگ تھلگ کرایا اور غار حرا میں رکھا۔ کتابیں پہلے تو وہاں تھیں نہیں، اگر ہوتیں بھی تو آپ کا لقب النبی الامی تھا۔ تو اللہ کو منظور تھا کہ علوم کا جو دریا حضور اقدسؐ کی زبان سے جاری ہو کسی کو یہ خیال نہ آتے کہ آپ نے مخلوق سے سیکھے، اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو اسلام اور قرآن سمجھنے کی توفیق عطا فرمادے۔

جو کچھ حضورؐ کی زبان سے نکلا، دنیا بعد از خرابی بسیار آکر بالآخر اس کی صداقت ماننے پر مجبور ہوئی، دیکھئے یورپ میں طلاق کے مسئلے کو طنز و تشنیع کا نشانہ بنایا مگر بالآخر تنگ آکر عیسائیوں نے بھی اسی میں پناہ لی۔ شراب کی حرمت پر ہنسی اڑاتے رہے، مگر بالآخر سارے یورپ نے اسے ام الخبائث قرار دیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو برتن کتا جھوٹا کر دے اسے سات دفعہ پانی سے اور آخری بار مٹی سے دھولیا جائے، مخالفین کو تعجب ہوتا ہے کہ اس کا کیا فائدہ مگر مغرب کے ایک ڈاکٹر نے اسی ایک حدیث پر تحقیق شروع کی کہ اس میں نکتہ کیا ہے۔ تو

ہر بار دھو کر برتن کو خوردبین سے دیکھا بار بار دھویا مگر جراثیم کتے کی زبان کے موجود تھے۔ ساتویں دفعہ مٹی سے دھویا تو جراثیم ختم ہوئے۔ پھر مٹی پر تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ جراثیم صرف نوشادر سے مرتے ہیں۔ اور مٹی میں اس کے اجزاء موجود ہوتے ہیں۔ آج ہم چودہ سو برس بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ نوشادر ایسے جراثیم کیلئے سمّ قاتل ہیں۔ حضورؐ نے جو نبی امیؐ تھے چودہ سو سال قبل بتلایا اور علاج بھی کتنا آسان کہ نوشادر کہاں کہاں ڈھونڈو گے۔ مٹی جو ہر شخص کو مل سکتی ہے استعمال کرو۔ اس طرح ہزاروں مثالیں ہیں کہ حضورؐ کے احکام اور ہدایات کو نئی تحقیقات کی کسوٹی پر پرکھا گیا تو صداقت سب پر عیاں ہو گئی۔ تو آخر یہ علوم اور یہ پُر حکمت تعلیمات کہاں سے آئے۔ کہ نہ جزیرۃ العرب میں مدرسہ تھا نہ سکول نہ لیبارٹریاں نہ وہاں ایسے اساتذہ۔ سب ان پڑھ اور امّی جیسا کہ خدا نے فرمایا: ھو الذی بعث فی الامیین۔ کہ اللہ نے انہیں ان پڑھوں میں بھیجا۔ جب نبوت کی خلعت سے سرفراز ہوئے تو ان کے علوم سے ان پڑھوں کی کایا بھی پلٹ گئی حضرت عمرؓ جیسے امیر المومنین اور سیاستدان کے بعد کسی نے پیش نہیں کیا۔ وہ کون سے جنگی اور سیاسی کالجوں میں پڑھے تھے۔ خالدؓ جیسا سپہ سالار، ابو عبیدہؓ جیسا فاتح، زیدؓ بن ثابت جیسا فقیہ اور مسائل پر عبور رکھنے والا، علیؓ جیسا سراپا علم و معرفت، صدیقؓ جیسا مجسمہ صدق و صفا ۔۔۔ کوئی امت ان لوگوں کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

ایک ایک فرد صحابہ کرامؓ کے علوم کا منبع بن گیا۔ ان کو یہ علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بتلائے اور خود حضورؐ کی ساری زندگی بھی آپ کے سامنے ہے۔ کوئی دشمن بھی نہیں کہہ سکتا کہ حضورؐ کے یہ علوم کسبی اور تحصیلی تھے۔ تو صاف معلوم ہوا کہ حضورؐ معلّم من اللہ ہیں۔ (یعنی سارے علوم صرف اللہ سے سیکھے) ایسی ذات کو رسول کہتے ہیں۔

دوسری بات مختصراً حضورؐ کی صداقتِ رسالت کے لئے یہ عرض کرنی ہے کہ حضورؐ اعقل الناس ہے (سارے لوگوں میں عقلمند، دانا اور ہوشیار) یورپ سمیت سب دشمن بھی آپ کی عقلمندی اور دانائی پر متفق ہیں۔ کارلائل جیسے لوگوں کے اقوال آپ نے پڑھے ہوں گے تو کیا عقلمند کسی مقصد اور غرض کے بغیر کوئی کام کرتا ہے؟ اب دیکھیئے کہ حضورؐ نے نبوت کے بعد ۲۳ برس کی پوری زندگی میں کتنے مصائب جھیلے اتنی تکالیف شاقہ ان کو پہنچائی گئیں کہ خود فرمایا: اوذیت فی اللہ مالم یوذ احد۔ (مجھے اللہ کی راہ میں اتنی تکلیف پہنچائی گئی جتنی کسی اور کو نہیں پہنچائی گئی۔) نماز پڑھ رہے ہیں کہ اوجھڑی کی بھری تھیلیاں پیٹھ مبارک پر رکھی گئیں۔ ابوجہل نے چادر گلے

میں ڈال کر سختی سے کھینچا۔ شعب ابو طالب میں تین سال محصور رکھے گئے، دار الندوۃ میں قتل جلاوطنی، گرفتاری وغیرہ کے مشورے ہوتے رہے، پتھروں کی بارش ہوئی، غرض ساری زندگی کیسی کیسی تکالیف میں گذری۔ تو ایک عقلمند جب اتنی محنت کرتا ہے، مصیبت اٹھاتا ہے تو اس کا کوئی محرک ہوتا ہے۔ کوئی باعث ہوتا ہے۔ ہمارا یہ پڑھنا پڑھانا ایک محرک کی وجہ سے ہے۔ تو حضورؐ نے ۲۳ برس دنیا کی اصلاح کی۔ جو مشقتیں اور شدائد برداشت کئے اس کے بھی کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ تنخواہ ملے مال و دولت مل جائے، دنیاوی عزت اور منصب و عہدہ مل جائے اہل و عیال کے لئے دولت جمع کی جائے یا پھر کھانے پینے پہننے رہنے سہنے کے لحاظ سے عیش و عشرت کی جائے یا پھر یہ سبب ہو سکتا ہے کہ صرف رضائے مولیٰ مل جائے اور خدا کی مخلوق کو خدا کے در پر پہنچایا جائے اس لئے کہ عاقل بغیر مقصد کچھ نہیں کرتا۔

—— تو ایک محرک دنیا ہوتی ہے، جس میں چند چیزیں مطلوب ہوتی ہیں۔ مال ملے، بلڈنگ ہو وطن میں شان و شوکت ہو چلنے پھرنے میں لوگ عزت کریں، نشست گاہ خوابگاہ بڑی شاندار ہو، مجلس میں صدارت کی نشست مل جائے۔ لباس و خوراک بہت اعلیٰ ہو، اولاد کو فائدہ پہنچے لیکن میں حضورؐ کی سیرت میں ان امور کے بارہ میں آپ کے سامنے چند اشارات ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ کے مال و دولت کی حالت یہ تھی کہ جب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے، تو گھر میں ایک درہم (چوتی برابر) بھی نہ تھی۔ زرہ مبارک ایک یہودی کے پاس گروی تھی۔ وصال کی رات چراغ کے لئے تیل پڑوسی سے قرض مانگا گیا تھا۔

الغرض ایک روپیہ میراث نہ چھوڑی کہ ان الانبیاء لم یورثوا دینارًا ولا درهمًا۔ ایک لاکھ درہم بحرین سے آئے سارے کے سارے تقسیم فرمائے، انتظار ہی کے لئے گھر میں کچھ نہ تھا۔ مگر اس کے لئے بھی نہ رکھا۔ گھر میں کسی نے شکایت کی غصہ میں فرمایا کہ اس وقت کہہ دیتے، اب کہنے کی کیا ضرورت ہے۔؟ ایک بار عصر کی نماز پڑھی اور عجلت میں پریشانی میں گھر تشریف لے گئے کچھ دیر بعد واپس ہوئے تو صحابہؓ نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ گھر میں تکیہ کے نیچے چاندی کا کوئی ٹکڑا تھا اسے جا کر خیرات کر دیا۔ اور یہ مناسب نہیں کہ پیغمبر پر اس حالت میں رات آجائے، کہ اس کے گھر میں چاندی سونے کا ٹکڑا ہو، دس لاکھ مربع میل پر حکومت ہے۔ مگر ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: ماشبع آل محمد من خبز شعير يومين۔ نبی کریم کے اہل و عیال جو کی روٹی سے بھی دو دن لگاتار سیر نہیں ہوئے جو کی روٹی سے بھی آپ کا گھرانا سیر نہیں ہوا ——

غزوۂ خندق میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ خود خندق کھود رہے ہیں اور زبان مبارک پر ہے کہ

اللھم لاعیش الاعیش الآخرۃ
فاغفر الانصار والمہاجرۃ

سردی ہے کپڑے نہیں ہیں، کھانا نہیں مل رہا، ساری دنیا مقابلہ میں آگئی ہے۔ مگر فرماتے ہیں: یا اللہ ہم اس حال میں خوش ہیں، ہمیں آخرت کی عیش چاہئے۔ دنیا کی چند روزہ زندگی کیا چیز ہے۔ آخرت کی خوشی دے اور انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما، حضورؐ صحابہؓ کے ساتھ زندہ درگور ہیں۔ اللہ کی غیرت جوش میں آتی۔ من کان للہ کان اللہ لہ جو اللہ کا ہو جائے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ حضورؐ نے پھاوڑا مارا چنگاری اٹھی تو بشارت دی کہ مجھے کسریٰ اور قیصر کے وہ محلات دکھائی دئے جو عنقریب تمہارے قبضہ میں آئیں گے۔ صنعاء یمن کی بلڈنگ دکھائی دئے کہ امت کے قبضہ میں آئیں گی۔ تو حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ خندق کھود رہے تھے کہ چادر مبارک سرکی تو دیکھا کہ چند پتھر پیٹ پر بھوک کی شدت کی وجہ سے باندھے تھے۔ یہ تو حالت کھانے پینے کی تھی۔

مکان کیسا تھا؟ کوئی بلڈنگ بنگلہ یا کوٹھی نہیں تھی، جہاں آج حضورؐ کا روضۂ اطہر ہے وہی کچا مکان تھا، مٹی گارے کا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بلوغ سے کچھ قبل مراہق تھا کہ حضورؐ کے حجرہ میں وصال کے بعد داخل ہوا تو چھت اتنا نیچے تھا کہ مجھے جھکنا پڑا، ورنہ سر چھت سے لگتا۔ چھت کھجور کے پتوں اور چھال کا تھا۔ بارش ہوتی تو پانی ٹپکتا تھا، تنگ اتنا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ تہجد پڑھتے تو میرے پاؤں سجدہ کرنے کی جگہ پڑے رہتے، جب حضورؐ سجدہ میں آتے تو میں پاؤں سمیٹ لیتی۔ قیام فرماتے تو پھر پھیلا دیتی۔ دروازے تختوں اور شیشوں کے نہیں تھے۔ پھٹی پرانی چادر یا ٹاٹ لٹکے ہیں۔ یہ اس مکان کی ظاہری حالت تھی جسکی معنوی قدر و قیمت اتنی ہے کہ زمین کے جس حصے سے حضور اقدسؐ کا جسد اطہر ملاقی ہے وہ خانہ کعبہ سے عرش اور کرسی سے آسمانوں سے افضل ہے۔ مہبط ملائکہ و عرش ہے۔ لیکن ظاہری طور پر جس مکان کا نمونہ پیش کیا امت کے سامنے وہ کچی اینٹوں کی دیواریں گھاس پھوس کا چھت۔

کپڑوں کی حالت دیکھئے، حضرت عائشہؓ وصال کے بعد کبھی کبھی آپؐ کے کپڑے بتلاتیں تنگی پیوند اور ٹکڑے لگے ہوئے کپڑے ہوتے اور فرماتیں کہ حضورؐ اس لباس میں دنیا سے تشریف لے گئے، اٹھنے بیٹھنے میں کوئی امتیازی شان نہیں تھا، مجلس میں آنے پر صحابہؓ کھڑے ہوتے

تو روک کر فرماتے : لاتقوموا کما تقوم الاعاجم - عجمیوں کی طرح میری تعظیم میں کھڑے نہ ہوں۔
کوئی نشست مخصوص نہ ہوتی، نہ امتیازی کیفیت تھی، جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ چلنے پھرنے
میں کبھی صحابہؓ سے آگے کبھی پیچھے کبھی درمیان میں۔ اولاد کیلئے میراث تو پہلے سے ختم کرادی کہ جو
کچھ رہ جائے وہ پوری امت کے لئے صدقہ ہے۔ پھر ایک ذریعہ اسلام میں زکوٰۃ اور صدقات
کا تھا۔ جو ایک لازمی عبادت ہے۔ مدات آمدنی میں اہم مد ہے مگر حضورؐ نے اپنے اور اپنی اولاد
پہ یہ راستہ بند کر دیا۔ اور فرمایا کہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ میرے اور میری اولاد پہ بلکہ بنو ہاشم
پہ حرام ہے۔ یہاں تک حضورؐ کے خاندان کا آزاد کیا ہوا غلام مولیٰ اگر ہو تو اس پہ بھی حرام ہے کیونکہ
غلام کا مال بھی مالک ہی کا ہوتا ہے۔ اور وہی اس کا وارث بنتا ہے تاکہ یہ بھی استحصال کا ایک
ذریعہ نہ بن سکے۔ تو خیرات بھی بند کر دیا خاندان پہ اپنی اولاد کو کیا چھوڑا۔؟ فرمایا : نحن معاشر الانبیاء
لانورث ما ترکناہ صدقۃ۔ (ہم انبیاء کی جماعت میراث نہیں چھوڑتے بلکہ جو کچھ رہ جائے
ساری امت کے لئے صدقہ ہوتا ہے۔)

وصال کے بعد خیبر و فدک کی ہزاروں جریب باغات اور زمینیں سب امت پر
صدقہ ہوئیں۔ وارثوں کو کوئی حصہ نہیں ملا۔ فرمایا : اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا۔ اے اللہ
میری اولاد کی روزی گذارے ہی کی ہو۔

اس سے حضورؐ کی سیرت طاہرہ کا ایک اور پہلو بھی سامنے آیا کہ حضورؐ نے جو بات دنیا کے
سامنے پیش کی خود اس پہ عامل بنے اور پہلے عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرتے اس وجہ سے
اصلاح بھی فرما سکے۔ ہم ہزار کوشش کرتے ہیں، چاہتے ہیں، مگر اصلاح نہیں کر سکتے اس لئے
کہ قول اور عمل میں تضاد ہوتا ہے۔ اصلاح اپنی آپ اور اپنے گھر سے شروع نہیں کرتے
حضورؐ نے فرمایا کہ اس امت کے لئے فتنہ مال ہے۔ قرآن اس کی فتنہ سامانیوں سے بھرا ہے۔
حضورؐ نے فرمایا کہ سلطنتوں کی چابیاں میرے ہاتھ میں دی گئیں۔ مگر مجھے غم ہے کہ میری امت
دنیا کے لئے آپس میں لڑے گی۔ تنافس اور تسابق میں مبتلا ہو گی۔

حضورؐ نے زہد اور فقر و قناعت کی تلقین کی۔ تو خود اپنے گھر سے اصلاح کی اہل بیت
پہ ہزاروں جریب زمین اور باغات حرام کر دیئے۔ مسلمان پر تقسیم کئے گئے مسلمانوں پہ وسعت
آئی ازواج مطہرات نے عرض کیا کہ ہم تو پانی اور کھجوروں پہ بسر اوقات کرتی ہیں۔ آپ کی برکت
سے ساری مخلوق پہ آسودگی ہے ہمیں بھی کچھ وظیفہ مقرر کیا جائے کہ گذر اوقات میں آسانی ہو۔

فرمایا: یاایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلا۔ اگر دنیا کی عیش و عشرت اور زیب و زینت چاہتے تو آؤ کہ تمہیں دیدوں اور اچھے طریقہ پر تمہیں اپنے سے الگ کر دوں اور اگر فقر و قناعت زہد، توکل کی زندگی چاہو تو اللہ نے بہت کچھ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ازواج مطہرات کی تربیت ہو چکی تھی، انہوں نے حضورؐ کے مقابلہ میں دنیا کی آسائش پر لات ماردی اور فقر و قناعت کی زندگی کو ترجیح دی۔

پھر حضورؐ کا فقر اختیاری تھا، ملک کا صدر اور خزانوں کا مختار مگر فقر کو ترجیح دیتے رہے۔ جگر گوشہ بیٹی فاطمۃ الزہراءؓ نے پانی بھر کر شدائد اٹھانے کی شکایت کی اور ایک باندی خدمت کے لئے طلب کی تو فرمایا کہ موسیٰ اور اسکی بیوی نے دس سال ایک کملی اور چادر میں گذارے۔ میں تجھے بہترین چیز نہ دوں کہ ۳۳ دفعہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھا کرو یہ دنیا وما فیھا سے بہتر دولت ہے ـــــ تو دولت تو قارون اور فرعون کے پاس بھی تھی نہ حکومت کوئی چیز ہے، نہ عہدہ و منصب۔

معاشرتی مساوات کی تلقین کی، عملاً اس کا اجراء فرمایا۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر اعلان فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر کسی گورے کو کالے پر فضیلت نہیں۔

کلکم بنو آدم وآدم من تراب۔ تم سب اولاد آدم ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ ارشاد ربانی ہے: یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ـــ آج جتنی عصبیت ہم میں موجود ہے۔ عربوں کی عصبیت اس سے ہزار درجہ زیادہ تھی، ایک ایک عرب اپنے خاندان اور قبیلے کے لئے مرنے مارنے پر تیار ہوتا تھا۔ ہم عصبیت کو نہیں مٹا سکے، حضورؐ نے عملاً مٹایا۔ فرمایا: المومنون کجسد واحد۔ سارے مسلمان ایک جسم و جان ہیں۔ یہ سارے اعلانات تو ہوتے، ہم بھی روزانہ کرتے ہیں، وعظ بھی کرتے ہیں، لیکن دیکھئے حضورؐ اس کیلئے اسوہ عملاً نمونہ ہیں۔ ایک ایسے ملک میں جہاں قریش کو اوروں پر فوقیت تھی اور خاندانوں کو کمتر سمجھا جاتا۔ ایک ہاشمی خاندان جو ساری دنیا کے خاندانوں سے اشرف اور افضل خاندان تھا۔ اس خاندان کی ایک معزز خاتون جو حضورؐ کی رشتہ دار تھی حضرت زینبؓ کا رشتہ ایک غلام کے ساتھ جو آزاد کیا گیا تھا حضرت زید۔ پردیسی مسافر ہے بنو ہاشم کے لئے اجنبی مگر حضورؐ نے یہ عظیم کام غرور و تکبر اور فخر و مباہات کو مٹانے کی خاطر

اپنے گھر سے شروع فرمایا۔ آج ہم کسی کمتر نسب میں رشتہ دینے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ مگر حضورؐ نے اعلان کے ساتھ عملی نمونہ بھی پیش فرمایا تاکہ نفرت مٹ جائے یہ تھا مساوات ہم بھی اسلامی مساوات اور قانون کی باتیں کرتے ہیں۔ مگر اس طرح بات نہیں بنتی، کچھ لوگ حضرت زینب کے آزاد شدہ غلام کے ساتھ رشتہ پر جھگڑا گئے۔ اعلان ہوا کہ اللہ اور رسول کا فیصلہ ہے، اس پر سیخ پا ہونے کی ضرورت نہیں، تسلیم و رضا شرط ایمان ہے۔

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة	اور ایماندار مرد یا عورت کو یہ اختیار نہیں کہ
اذا قضی اللہ ورسولہ امرًا	اللہ اور رسول کوئی فیصلہ فرما دے اور انہیں
ان یکون لھم الخیرة من	پھر بھی اس میں کوئی اختیار رہ سکے اور جس
امرھم ومن یعص اللہ و	نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح
رسولہ فقد ضل ضلالًا مبینًا۔	گمراہی میں جا پڑا۔

آج تو آزاد خیالی کا دور دورہ ہے۔ ہر چیز میں آزادی آزادی۔ یہ آزادی اسلام سے اور پھر اسلام یعنی گردن نہاد ہونا دونوں باتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ اسلام کا معنی غلام بننا ہے۔ غلام کیسے آزاد ہو سکتا ہے۔

اسی طرح معاشیات کے میدان میں حضورؐ نے اصلاح کی تو عملاً پہلا نمونہ اپنے گھر سے پیش کیا۔ اجراء اپنے گھر سے فرمایا۔ ربٰوا اور سود عربوں کا اہم ترین معاشی ذریعہ تھا سودی معاملات ہوتے رہتے، لاکھوں روپیہ کا لین دین چھوڑ دینا آسان بات نہ تھی۔ احل اللہ البیع وحرم الربٰوا کا حکم نازل ہوا تو حضورؐ نے حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا کہ جاہلیت کے سارے طریقے میں نے قدموں کے نیچے روند ڈالے ہیں، اور سود بھی۔ اعلان کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جس کا قرض ہے سود پر تو اصل رقوم وصول کرے۔ مگر ربٰوا (سود)

اپنے گھر کے بارہ میں فرمایا کہ میرے چچا حضرت عباسؓ (جو بڑے مالدار اور رئیس تھے) کے ایسے تمام سودی معاملات اصل اور منافع دونوں سمیت سوختہ ہیں۔ نہ وہ اصل مانگ سکیں گے نہ سود یہ اس لئے کہ سب سے پہلے اسکا اجراء اپنے گھر سے شروع ہو جائے۔

سماجی اصلاح کی اور مثال دیکھیں عربوں میں لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ عرب بڑے غیور تھے، قتل اور خون کا بدلہ ہر حالت میں لیتے تھے اور یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ زمانہ جاہلیت کا ایک دوسرے پر جو قصاص اور بدلے ہیں وہ سب باتیں

ختم، اب کوئی پچھلی عداوتوں کو جاری نہ رکھے۔ یہ بھی کوئی آسان بات نہیں تھی۔ آج ہمیں ذرا سا ترچھی نظر سے دیکھے تو مارنے دوڑتے ہیں کہ میں کوئی بے غیرت نہیں ہوں، کیوں بدلہ چھوڑ دوں، پٹھانوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ صدیوں بدلہ لیتے رہتے ہیں۔ حضورؐ نے حکم جاری کیا تو خود عمل پیش کیا۔ فرمایا کہ میں اپنے خاندان کے مقتول ربیعہ کا خون معاف کرتا ہوں۔

—— تو بھائیو! دو باتیں میں نے عرض کیں :

۱- ایک یہ کہ حضورؐ امی تھے۔ مگر علوم کے دریا بہا دئے، اور ایک لاکھ صحابہؓ سے زیادہ کو علوم کا سرچشمہ بنا دیا۔ لاکھوں آبادی کو علوم کا ماہر بنا دیا جس پر آج تک تحقیق ہوتی رہی۔ مگر کوئی عیب اور نقص نکالا نہیں جاسکا۔ یہ حضورؐ کے معلم من اللہ اور رسول صادق و مصدوق ہونے کی روشن دلیل ہے۔

۲- دوسری بات یہ عرض کی کہ جو کچھ دنیا کو کشش کیا سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا آپ فرجوانوں کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور آئے گی۔ تو آپ بھی کامیاب اصلاحی انقلاب اگر لانا چاہیں تو اولاً حضورؐ کی سیرت پر خود عمل کر کے دنیا کو نمونہ پیش کر سکیں گے اور کامیاب ہوں گے۔

۳- تیسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ آپ کا چھوٹا بچہ ہوتا ہے، توتلی باتیں کرتا ہے، کپڑے پھٹے پرانے ہوں گندہ بھی ہو مگر والدین کو اسکی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ دل کو بھاتی ہے، کہیں والدہ سے بچہ گم ہو جائے دربدر پھرتی ہے اور کہیں اپنے بچے جیسے چال ڈھال والا بچہ مل جائے، تو اس پر بھی نثار ہوتی ہے۔

تو جو محبوب کے رنگ میں رنگ جائے وہ بھی محبوب —— فرعون کے ہزاروں جادوگروں نے حضرت موسیٰ کا مقابلہ کیا مگر مقابلہ کے وقت حضرت موسیٰ جیسا لباس یونیفارم پہن کر آئے —— علماء نے لکھا ہے کہ اس لباس کی اتنی برکت ظاہر ہوئی کہ خدا نے اپنے محبوب پیغمبرؑ کی مشابہت اور تشبیہ کی وجہ سے انہیں ہدایت ایمان نصیب فرمائی اور فرعون کو نہ ہوئی۔ خدا نے حضرت موسیٰ کو ان کے تعجب کرنے پر فرمایا کہ ایک تو انہوں نے تمہارا ادب کیا کہ آپ کو پہلے دعوت دی پھر تیرے لباس کو اپنایا۔ اس رنگ میں آگئے تو میری رحمت نے برداشت نہیں کیا کہ انہیں جہنم میں ڈالدوں —— تو حضورؐ کا قول و فعل طرز معاشرت، طرز زندگی، طرز عبادت، شادی بیاہ کے طریقے، کھانا پینا کیسا تھا انہیں معلوم کر کے انہیں اپناؤ گے تو اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ تمہاری قباحتوں، کوتاہیوں، گناہوں سے بھی درگذر فرما دیں گے۔ اور بخشش دیں گے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ■■

انسان خلاصۂ کائنات ہے

حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

★

تلخیص از : جناب محمد اقبال قریشی ہارون آبادی

قولہ تعالیٰ : وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

ترجمہ از حضرت حکیم الامت تھانویؒ : اور تمہاری جانوں میں بھی کیا اور کیا تم نہیں دیکھتے۔
ترجمہ از حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی : تمہارا نفس خود ایک کتاب ہے تم اسے پڑھو ـــــ

تشریح از حکیم الاسلام بقیۃ السلف حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم اعلیٰ دارالعلوم دیوبند :- انسان عالم صغیر ہے۔ عالم کبیر کے جملہ نمونے اور نقشے اس میں موجود ہیں۔ چنانچہ غور کیجئے کہ عالم کائنات کی دو ہی قسمیں ہیں۔ عالم شاہد اور عالم غیب۔

عالم شاہد اجسام کا مجموعہ ہے جو آنکھوں سے مشاہدہ اور محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً دریا، پہاڑ، زمین، آسمان وغیرہ۔ انسان میں عالم شہادت بدن ہے۔ جس میں گوشت پوست، ہڈی، چمڑہ اور دیگر اعضاء بدن وغیرہ۔ پھر جیسے اس دنیا میں عالم شہادت کے دو حصے ہیں۔ سفلیات، جیسے زمین اور اس کے سبزہ زار، دریا، پہاڑ وغیرہ۔ علویات جیسے آسمان چاند سورج وغیرہ ایسے ہی انسان میں فوقانی حصہ جس میں قلب اور دماغ ہے۔ اس کے علویات ہیں۔ اور تحتانی حصہ جس میں مختلف حسی اعمال وحرکات کی قوتیں پوشیدہ ہیں مثلاً ہاتھ پاؤں، پیٹ پیٹھ وغیرہ یہ اسکے سفلیات ہیں۔ پھر جس طرح عالم انسانی کی بنیاد عناصر اربعہ آگ، ہوا، پانی اور مٹی کے مادوں پر ہے۔ بعینہٖ انسان میں انہی چار مادوں کے اثرات حرارت، برودت، یبوست اور رطوبت

کار فرما ہیں۔ پھر سفلیات میں عناصر اربعہ کی کارفرمائی کا جو رنگ ڈھنگ ہے وہی بجنسہٖ انسانی سفلیات میں بھی ہے مثلاً زمین ایک تودہ خاک ہے، ایسے ہی انسان کا پورا بدن ایک مشتِ خاک ہے۔ پھر جس طرح زمین ہموار نہیں بلکہ اس میں طول و عرض اور عمق سب کچھ ہی ہے۔ ایسے ہی انسان کا بدن ہے۔ پھر جسطرح زمین کھود و تو تری نکلنا شروع ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی انسانی بدن کا ٹنے سے خون بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جیسے زمین مختلف رنگوں کی ہے۔ سفید، سیاہ سرخ، زرد۔ ایسے ہی بدن انسانی میں بھی مٹی کے مختلف الوان موجود ہیں۔ سطح سفید ہے، مستور حصے جیسے زیر بغل کنج ران سیاہ ہے۔ چہرہ پر سرخی رہتی ہے۔ ہڈیوں کے جوڑ پہ کی کھال میں عموماً زردی نمایاں ہوتی ہے۔ پوری نوع بشر پہ نگاہ ڈالو تو ہر رنگ کا انسان نظر پڑتا ہے۔ مغربی انسان عموماً سفید، مشرقی اور افریقی سیاہ، ہندوستانی گندم گوں، چینی زرد اور عرب سرخ مائل ہوتے ہیں۔ پھر زمین کا کوئی حصہ صاف ستھرا ہے۔ جیسے تفریح گاہ اور کوئی گندہ جس پہ کوڑیاں پڑتی ہیں۔ ایسے ہی انسان کا لطیف اور صاف ستھرا حصہ چہرہ اور ہاتھ ہے۔ جسے عزت سے چومتے ہیں اور گندہ حصہ زیر بغل یا اعضاء نجاست ہیں۔ غرض مٹی اور اسکی مخصوص صفات و کیفیات انسان میں سب موجود ہیں۔ پھر جیسے سارے عالم میں آگ اور برقی رَو دوڑ رہی ہے۔ بعینہٖ انسانی بدن میں حرارت اور آگ پھیلی ہوئی ہے۔ اور ایسی حرارت عزیزی وطبعی پہ انسانی زندگی قائم ہے۔ پھر جیسے مٹی پتھر اور لوہے کے آپس میں رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی انسانی ران یا ہاتھ کے آپس میں رگڑنے سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ پھر جیسے آگ درحقیقت فیض ہے علویات یعنی سورج کا یعنی سورج نہ ہو تو پھر بھی ریت ہو کر بہہ جائیں۔ ایسے ہی انسانی بدن میں حرارت اس کے علویات یعنی قلب اور دماغ کا فیض ہے۔ قلب ہی حرارتِ عزیزی تیار کرتا ہے۔ اگر قلب یہ حرارت نہ بھیجے تو بدن جھڑنے لگے۔ اور قلب ہی نہ ہو تو ساری اقلیم مردہ بن کر ختم ہو جائے۔

پھر یہ پانی جیسے زمین کے گوشہ گوشہ میں سمایا ہوا ہے ایسے ہی انسانی بدن میں رطوبات اور پانی کی تری بصورت خون رچی ہوئی ہے۔ پھر جیسے عالم میں چشمے جاری ہیں۔ کوئی بڑا دریا ہے، کوئی چھوٹا۔ ایسے ہی انسانی بدن میں بڑی اور چھوٹی رگیں گویا دریا ہیں۔ پھر جیسے زمین میں نہریں، ندی نالے، پانی کے ڈونگرے۔ مثلاً تالاب ہیں۔ ایسے ہی انسانی بدن میں وہ رطوبات کا پانی رہتا ہے۔ پھر جیسے زمین میں شیریں نمکین اور شور مختلف قسم کے چشمے ہیں ایسے ہی انسانی بدن

میں منہ سے آبِ شیریں اور آنکھوں سے شور چشمہ جاری ہے پتے سے کڑوا اور معدہ سے ترش پانی چلتا ہے۔ پھر جیسے دنیا میں حرارت و برودت کے غلبہ سے یا مقامی خصوصیات سے کہیں کا دریا رواں ہے کہیں کا جما ہوا ہے جیسے بحر منجمد شمالی اور بلغم وغیرہ منجمد چشمے ہیں۔ پھر جیسے کہیں گندہ پانی ہوتا ہے۔ انسان میں پیشاب یا سنک گویا گندہ پانی ہے جو گندی نالی سے بہتا ہے۔ پھر دنیا میں کہیں سرد چشمے ہیں۔ اور کہیں گندھک کا زور ہے۔ ایسے ہی انسانی بدن میں ٹھنڈے پانی کے چشمے جاری ہیں۔ ایسے ہی انسان میں زبان سرد پانی کا چشمہ اور پیشاب گرم پانی کا چشمہ ہے۔ پھر دنیا میں مرج البحرین ایک مقام ہے، جسکا ایک حصہ شیریں اور دوسرا تلخ و شور ہے۔ ایسے ہی انسان کے دماغ کی حس مشترک میں شیریں چشمہ قوت ذائقہ اور نمکین چشمہ قوت باصرہ موجود ہے۔ پھر جسطرح دنیا میں برسات ہوتی ہے، ایسے ہی انسانی بدن میں پسینہ ہے۔ پھر جسطرح زمین ہی سے مانون بڑھ کر زمین پر ہی برسات ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان کا بدن سے ہی پسینہ ٹپک کر بدن پر ہی برستا ہے۔

غرض پانی کی جملہ انواع انسان میں موجود ہیں۔ پھر جسطرح عالم کا ہر خلا ہوا سے پُر ہے ایسے ہی انسانی بدن کا ہر خلا ہوا سے بھرپور ہے۔ پھر جیسے زمین پر ہوائیں چلتی ہیں ایسے ہی انسان میں چلتی ہیں۔ زمین پر گرم اور سرد ہوائیں چلتی ہیں۔ ایسے ہی انسان میں سانس کے ذریعہ جو ہوا اندر جاتی ہے۔ وہ سرد ہے اور جو ہوا باہر نکلتی ہے وہ گرم ہے۔ پھر جیسے ہوائیں صاف بھی ہوتی ہیں اور متعفن بھی۔ ایسے ہی انسان میں ڈکار آتی ہے۔ تو خوشبودار ہوتی ہے۔ اور خروج ریاح ہوتا ہے۔ تو بدبودار۔ پھر جیسے زمین پر آندھیاں چلتی ہیں، ایسے ہی زیادہ دوڑنے سے انسان کا سانس اکھڑ جاتا ہے۔ پھر جیسے زمین پر حبس اور گھٹن ہونے سے انسان کا دل گھبراتا ہے۔ اور پریشان ہوتا ہے۔ ایسے ہی ریاح بند ہونے کے وقت حالت ہوتی ہے۔ پھر جیسے زمین کے خلاؤں میں سے اگر ہوا کھینچ لی جائے تو سارا عالم ختم ہو جائے۔ ایسے ہی انسانی بدن میں سے سانس کھینچ لی جائے تو اقلیم تن بھی ختم ہو جائے۔ غرض ہوا کی جملہ انواع انسان میں موجود ہیں۔

جمادات میں ہڈیوں کا سلسلہ گویا پہاڑ ہیں جن میں سے پہاڑوں کیطرح کوئی چھوٹی ہے کوئی بڑی۔ پھر جسطرح پہاڑوں پر مٹی جمی ہے ایسے ہی اقلیم بدن پر گوشت چڑھا ہے۔ پھر پہاڑوں کے بعض خطے گرم ہیں، بعض سرد۔ ایسے ہی انسانی بدن کے مستور حصے گرم ہیں۔ اور سطح بدن کے تمام نمایاں حصے سرد۔ پھر پہاڑوں کے مقامات مقدسہ کی زیارت کی جاتی ہے اور بعض سے کراہت

کی جاتی ہے۔ ایسے ہی انسانی بدن میں چہرہ مہرہ کی ادب سے پیشانی چومی جاتی ہے۔ اور بعض حصوں کو دیکھنا شرعاً وعقلاً ننگ وعار سمجھا جاتا ہے۔ پھر زمین کے بعض حصوں کو دیکھنے کی قوت ہے لیکن ایسا کرنا عیب سمجھا جاتا ہے۔ ایسے ہی انسانی بدن کے بعض حصوں کو دیکھنا (مثلاً، پیٹھ وغیرہ) حماقت ہے۔ پھر جیسے پہاڑ پر نباتات اُگتے ہیں، ایسے ہی انسانی بدن پر بال اگتے ہیں۔ پھر جسطرح زمین پر کہیں گھنا جنگل ہے کہیں جھنڈ۔ ایسے ہی انسانی بدن کے چہرہ اور سر پر گھنے بال بال ہیں۔ اور عام بشرہ بدن پر چھپید ہیں۔ پھر جسطرح زمین پر بعض نباتات برابر بڑھتے اور نشوونما پاتے رہتے ہیں اور بعض یکساں حالت پر قائم رہتے ہیں۔ اسی طرح انسانی بدن میں سر، ڈاڑھی اور مونچھ وغیرہ کے بال برابر بڑھتے رہتے ہیں، لیکن بقیہ جلد بدن کا رواں یکساں رہتا ہے۔ پھر بعض جگہ زمین کے جھاڑ جھنکار کے صاف کئے بغیر زمین پر رونق نہیں آتی ایسے ہی انسانی بدن کے موئے بغل اور موئے زہار ہیں۔

پھر زمین کے بعض حصے قائم رکھنے سے زمین کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ اور ان کی تراش خراش سے زمین کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی بدنِ انسانی میں موئے ریش ہیں جن کے رکھنے سے انسان کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ نیز انکی اصلاح اور موئے شوارب کی تراش سے چہرہ کا حسن قائم ہوتا ہے۔ پھر جس طرح زمین کے مختلف قسم کے حیوانات کی بلد زمین کی رطوبات ہیں۔ ایسے ہی انسانی بہاں میں سر میں جوئیں، پیٹ میں کیچوے، معدے میں ریشانی کیڑے بدن کے خون کو چوستے اور بڑھتے ہیں۔ پھر جسطرح زمین کے قعر اور جگہ میں مختلف صورتوں کے حشرات الارض ہیں۔ ایسے ہی انسان کے بدن میں مختلف رنگوں کے جراثیم ہیں جو خوردبین سے نظر آتے ہیں۔

پھر جسطرح دنیا کے ہر خطہ کے جانور مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی انسانی بدن کے ہر حصہ میں نئی نئی تشکل و شمائل کے جراثیم ہیں۔ پھر جسطرح زمین کی مخلوقات زمین میں پیدا ہو کر مر کر زمین میں ہی دفن ہو جاتی ہیں۔ ایسے جراثیم بدن میں پیدا ہو کر مرتے اور بدن میں ہی دفن ہو جاتے ہیں۔ پھر جسطرح زلزلہ سے ساری زمین حرکت میں آتی ہے۔ ایسے ہی بدن میں دھڑ دھڑی آنے سے پورا بدن اچانک متحرک ہو جاتا ہے۔ پھر جسطرح زلزلہ کا سبب آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا کہاں جاتا ہے۔ یہاں بھی اندرونی گرمی بھڑکاہٹ یا پریشانی دل سے انسان کے پورے بدن میں دھڑ دھڑی آجاتی ہے۔ پھر جسطرح اقلیم عالم میں عناصر کے غلبہ سے غیر معتدل آثار پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً قحط سالی

آندھیاں، آگ برستا۔ ایسے ہی اقلیم بدن پر غیر طبعی آثار مثلاً بخار، زکام، سرسام اور خارش وغیرہ نمودار ہوتے ہیں۔ پھر جسطرح عقل و حکمت کی کمی اور شہوات و عفلات کی زیادتی سے انسان انسان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی بعض دفعہ بحرانی مرض پیدا ہو جاتے ہیں، کہ انسان اپنے بدن کو نوچنے لگتا ہے۔ پھر جسطرح رعایا پر بادشاہ کی حکومت ہوتی ہے، اور وزراء، جنود و عساکر اس کے مددگار ہوتے ہیں۔ ایسے ہی اقلیم بدن کا بادشاہ قلب ہے دماغ اور حواس خمسہ اس کے وزیر اور مشیر ہیں۔ معدہ خزانچی ہے۔ اور ہاتھ پیر جنود و عساکر ہیں۔ پھر جسطرح علویات میں چاند اور سورج روشن ہیں۔ بعینہٖ اقلیم بدن میں سر میں دو آنکھیں منور ہیں۔ پھر جسطرح ستاروں سے راستہ دکھائی دیتا ہے، یہاں دماغ میں غور و فکر کے نتائج اور نظریے ہیں جن سے انسان کو عمل کی راہیں ملتی ہیں۔

پھر جس طرح ستارے مادی تاثیرات پیدا کرتے ہیں۔ ایسے ہی دماغی فکر غم و مسرت پیدا کرتی ہے۔ پھر جسطرح آسمانوں کے اوپر غیب میں جنت ہے جس میں سوائے مسرت و اطمینان کے غم کا کہیں نشان نہیں، بعینہٖ انسان میں آثار فرح و مسرت اور بشاشت و طمانیت مثل جنت کے ہیں۔ جن میں مگن ہو کر نفس دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ پھر جسطرح غیب میں جہنم ہے، جہاں سوائے غم و تردد کے کسی خوشی کا نشان نہیں، ایسے ہی انسان کے باطن میں آثار مصائب و غم اور تشویشات مثل جہنم کے ہیں۔ پھر جیسے آسمانوں میں سب سے برتر اور فوق تر عرش ہے۔ جہاں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی تجلیات کا بلا واسطہ ورود ہے ایسے ایسے ہی فوقانی اشیاء میں انسان کا لطیفہ قلب ہے۔ جو تجلی گاہ ربانی ہے۔ جس میں بلا واسطہ اسرار الٰہی متجلّی اور منکشف ہوتے ہیں۔

پھر جسطرح آسمان پر فرشتے مختلف خدمات انجام دیتے ہیں جن میں عصیان کا کہیں نشان نہیں ایسے ہی دماغ میں حواس خمسہ ملائکہ کی طرح خدمات انجام دیتے ہیں۔ پھر جسطرح عُلوی عالم میں آسمان کے نیچے گمراہ شیاطین ہیں، جو حکم الٰہی کے سامنے نہیں جھکتے۔ ایسے ہی انسانی دماغ کے نیچے نفس ظلمانی ہے جو قلب کے اشاروں پر نہیں چلتا۔ بلکہ فانی اللذات میں منہمک ہو کر سارے اقلیم بدن کو تباہی میں ڈالتا ہے۔

دوسرا عالم، عالم غیب ہے، جو جسمانیت سے پاک ہے اور صرف دل کی آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ مثلاً ذات و صفات حق، ملائکہ، عالم اسرار غیب وغیرہ۔ انسان کا عالم غیب

روحِ انسانی ہے جس میں علم کے سر چشمے ہیں اور لطیفہ روح، معنویات و روحانیات اور الہیات کا مرکز ہے۔ گویا اس روح میں کمالات باطن کے نمونے ہیں، جو اس کو ودیعت کئے گئے ہیں جسطرح ذات بابرکات، مدبر و حکیم اپنی حکمت و قدرت سے سارے عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اگر وہ ذرا توجہ ہٹالے تو سارا عالم درہم ہوجائے۔

اسی طرح روحِ انسانی بدنی کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اگر ذرا بھی اپنا رخ بدن سے پھیر لے تو اقلیم تن گل سڑ جائے۔ پھر جسطرح وہ مختلف رنگ جہانوں کیلئے ایک ہی مدبر ہے اسکا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح روح بھی انسانی بدن میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ پھر جسطرح وہ واحد قہار یقینی اور حتمی ہونے کے باوجود انسانوں سے اوجھل ہے اور بصری ادراک سے قاصر ہے۔ ایسے ہی روحِ انسانی ہے۔ پھر جیسے وہ خالقِ اکبر عالم کے ذرہ ذرہ میں سمایا ہے۔ اور ہر چیز میں اس کا جلوہ ہونے کے باوجود کوئی اشارے سے نہیں بتلا سکتا کہ ذرا ادھر یا ادھر۔ ایسے ہی روحِ انسانی رگ رگ میں سمائے ہونے کے باوجود کوئی نہیں بتلا سکتا کہ کس کونے میں بیٹھی ہے۔

پھر جسطرح حق تعالیٰ شانہٗ کو جو تعلق عرش سے ہے، وہ فرش سے نہیں جو بیت اللہ سے وہ عام جہان سے نہیں۔ چنانچہ اگر مقاماتِ مقدسہ پر آنچ آجائے تو سارا عالم زیر و زبر ہو جائے۔ ایسے ہی انسانی روح کا سب سے زیادہ تعلق قلب سے ہے۔ پھر جسطرح حق تعالیٰ شانہٗ ملائکہ مقربین کو مامور فرماتا ہے۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام کے پاس حکمِ الٰہی لے کر اترتے ہیں۔ اسی طرح روحِ انسانی کی صفت بھی رشد و ہدایت ہے۔ پھر جس طرح ہر ادراک اور حواسِ خمسہ اس کے ملائکہ ہیں جنکی قوتیں دماغ میں پوشیدہ ہیں اور جن اعضاء کے ذریعہ یہ قوتیں نمایاں ہوتی ہیں وہ آنکھ، کان، ناک وغیرہ بمنزلہ انبیاء علیہ السلام کے ہیں۔

پھر جسطرح حق تعالیٰ کی گوناگوں صفات و کمالات ہیں، کسی نہ کسی خاص غلبہ کے تحت ہر نبی پر تجلی ہوتی ہے۔ ایسے ہی روح بھی اپنی کسی نہ کسی صفت سے ان کارکنوں پر متجلی ہے۔ اور ہر عضو آنکھ، کان، ناک اسکی ایک قوت احساس و ادراک کا مظہر ہے۔ پھر جسطرح حق تعالیٰ شانہٗ کی سب سے زیادہ جامع تجلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ اور آپؐ میں اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم و کمالات جمع کردئے گئے ہیں۔ ایسے ہی روح کی سب سے زیادہ تجلی قلب پر ہے۔ اور قلب مجمع العلوم ہے۔ حواس خمسہ میں ادراک و شعور کا فیض قلب ہی کا ہے۔ پھر جسطرح یہ مسلمہ

عقیدہ ہے کہ اور انبیاء علیہ السلام کی نبوت و معرفت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و معرفت سے مستفاد اور وابستہ ہے۔ ایسے ہی ان اعضاء حواس کا علم قلب کی قوت علم سے مستفاد اور وابستہ ہے اور قلب بالذات مدرک ہے۔ چنانچہ آنکھ، کان بند کرکے تنہا قلب تدبر و فکر کرتا ہے۔ اور ساری کائنات کے نقشہ کو عالم خیال میں دیکھتا ہے۔ اور حواس خمسہ کا محتاج نہیں۔ پھر جس طرح حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے حاکم اور جملہ ادیان کے ناسخ ہیں ایسے ہی قلب تمام اعضاء رئیسہ مروسہ پر حاکم اور ان کے علمی ذخیروں پر ناقد اور متصرف ہے کہ آنکھ نے صحیح دیکھا یا نہیں کان نے صحیح سنا یا نہیں۔ اور قلب کے علوم پر کوئی نقد و تبصرہ نہیں کر سکتے۔ جسطرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر کسی کو نقد و تبصرہ کا اختیار نہیں۔ پھر جسطرح کمالات خداوندی آپؐ کی ذات بابرکات پر اولاً اترے، اسی طرح روح کا فیضان بھی اولاً قلب پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ حیات و زندگی بھی پہلے قلب پر اترتی ہے ـــــــ

پھر جسطرح حضرات انبیاء علیہم السلام مخلوق کو راہ ہدایت دکھلا کر عمل کیلئے جبر و اکراہ نہیں کرتے۔ بلکہ عمل کی استعداد پیدا کرکے عمل کرنا لوگوں پر چھوڑ دیتے ہیں ایسے ہی روح انسانی اشیاء کے حسن و قبح دکھلا کر اعضاء بدن میں استعداد عمل کی قوت پیدا کرکے نفس کے ارادے پر چھوڑ دیتی ہے۔ اور عمل کے لئے نفس پر جبر و اکراہ نہیں کرتی۔

پھر جسطرح غذا کے اثرات بدن پر نمایاں ہوتے ہیں، اسی طرح روح اپنی تربیت سے اس کے (خیر و شر کے) ثمرات بدن پر نمایاں کر دیتی ہے۔ آخر میں بطور تبرک حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے الفاظ نقل کرتا ہوں۔ "غرض مبداء ہو یا معاد، نبوات ہوں یا احکام آخرت ہو یا سزا و جزا، حق تعالیٰ کے کمالات و صفات ہوں یا اشغال ان سب کے تمام ہی نمونے انسان کے عالم غیب یعنی روح میں موجود ہیں۔ اور یہ واضح ہوگیا کہ انسان ایک ایسی حقیقت جامعہ ہے کہ اکوان و اعیان کی ساری ہی حقیقتیں اور صورتیں اس میں جمع ہیں۔ الٰہیات اور مخلوقات کے سارے ہی نمونے اس میں موجود ہیں اور ہر انسان گویا ایک مستقل جہان ہے۔ جس میں ظلماتی اور نورانی، شیطانی اور رحمانی، مادی اور روحانی ساری ہی انموذج قائم ہیں ؎

آسماں است در ولایت جاں　　　کار فرمائے آسمان جہاں

در رہ روح پست و بالا ہست　　　کوہ ہائے بلند و صحرا ہست

گویا انسان اس کا مصداق ہے۔ ؎

میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی مرحوم[1]

رفاہی خدمات میں مسلمانوں کا حصہ

اسلامی تاریخ کا ایک دل آویز باب

قوموں کی ترقی اور شائستگی، زندگی کے لئے ان کے حق اور عالمی قیادت کے لئے ان کی صلاحیت کا سب سے بڑا ثبوت ان کے افراد کا وہ انسانی جذبہ فراہم کرتا ہے جو کسی امتیاز کے بغیر سماج کے ہر طبقے کو اپنی آغوش میں جگہ دے، بلکہ روئے زمین کے ہر انسان ہی نہیں، ہر جاندار تک کے لئے اس کا فیض عام ہو۔ کسی قوم کی تہذیب کا یہی وہ عنصر ہے جو اسے بقائے دوام عطا کرتا ہے۔ اور دوسری تہذیبوں کے مقابلے میں افضلیت کا مقام اس کے حصہ میں آتا ہے۔

ہماری قوم اس میدان میں جس بلندی تک پہنچی ہے، بلا کسی استثناء کے اس سے پہلے کی قوموں اور امتوں میں سے کسی کی رسائی وہاں تک نہیں ہوئی ہے۔ اور بعد والوں میں سے بھی اب تک بہرحال وہاں کوئی نہیں پہنچ پایا ہے۔

گزشتہ زمانوں میں قوموں اور تہذیبوں کا رفاہی اور خدمتی تصور اس قدر تنگ تھا کہ مدرسوں اور عبادت گاہوں سے زیادہ کوئی بات ذہن میں نہیں آتی تھی۔ اور زمانہ حاضر میں اگرچہ مغربی قومیں اجتماعی اور عوامی اداروں کے ذریعہ اجتماعی ضروریات کی کفالت کرنے میں بہت دور تک آگے بڑھ گئی ہیں، مگر وہ بے لوث انسانی جذبہ جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے حرکت میں آئے اور جو

---

[1] ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی جنہوں نے اب سے چند سال پہلے وفات پائی۔ دمشق یونیورسٹی کے پروفیسر اور جدید عالم عربی کے بلند پایہ مصنفین میں تھے۔ انکی ایک کتاب "من روائع حضارتنا" دمشق ریڈیو سے نشر کی گئی تقریروں کے ایک سلسلے پر مشتمل ہے۔ ذیل کا مضمون اسی سے لیا گیا ہے۔

ہمارا اپنے دور عروج اور دور انحطاط دونوں میں امتیاز رہا ہے۔ وہ ان کی دست رس سے ہنوز باہر ہے۔ اہل مغرب کے رفاہی اور خدمتی کاموں میں سب سے بڑا محرک جاہ طلبی، شہرت پسندی اور نام رہ جانے کی خواہش ہی ہوتی ہے۔ جبکہ ہماری قوم میں اعمال خیر کا اولین محرک اللہ عزوجل کی رضا جوئی تھی اور اس کے آگے اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ دوسروں کو ان کاموں کا علم ہوتا ہے یا نہیں۔

اس دعوے پر بس ایک ہی دلیل کفایت کر سکتی ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے تمام اموال امور خیر میں لٹائے، شام اور مصر کو خیراتی اداروں سے بھر دیا، مساجد مدارس اور مسافر خانوں کی کوئی شمار نہ رہی۔ لیکن کسی ایک پر بھی جو اپنا نام کندہ کرایا ہو، نام لکھوائے تو اپنے سپہ سالاروں کے، وزراء کے، دوستوں اور اعوان حکومت کے!

نفس کی آمیزش سے کارہائے خیر کے پاک ہونے کا اس سے بلند تر درجہ بھی کوئی تصور میں آسکتا ہے۔؟

دوسرا مابہ الامتیاز ہمارے اور اہل مغرب کے درمیان یہ ہے کہ اہل مغرب اپنے رفاہی اداروں سے فیض یابی کو عموماً اپنے اہل ملک تک محدود رکھتے ہیں، جبکہ ہمارے ایسے اداروں کے دروازے ہر انسان کے لئے کھلے ہوتے تھے، نہ نسل کا کوئی امتیاز تھا، نہ وطن کا اور نہ زبان اور مذہب کا۔

تیسرا ایک فرق اور ہے۔ ہم نے اپنے دور میں امور خیر کے ایسے ایسے پہلو نکالے اور ان کے لئے ادارے قائم کئے جن تک آج بھی اہل مغرب کا خیال نہیں پہنچا ہے۔ یہ پہلو آج بھی سامنے آتے ہیں تو نظر حیران رہ جاتی ہے۔ اور اس امر کی ایک تابناک دلیل فراہم ہوتی ہے کہ انسان دوستی کے جذبے کی لطافت اور وسعت میں مسلمانوں کا مرتبہ دوسروں سے کس قدر بڑھا ہوا تھا۔

امور خیر کے لئے اپنے دور کے اجتماعی اداروں کا، جو تھوڑا سا تذکرہ ہم یہاں کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس میدان میں اپنی تہذیب کے مبادیات کا تعارف کرا دیا جائے۔ ہم نے جو کچھ بھی نقوش اس میدان میں ثبت کئے ہیں۔ وہ سب انہیں بنیادی افکار اور بنیادی تربیت کا فیض ہے۔

اسلام نے جب امور خیر کے لئے پکار دی تو ایسے فکری عناصر اس میں شامل کر دئے

کہ انسان کے دل میں بخل و حرص کا جو جذبہ سر اٹھا سکتا تھا۔ اور فقر کے خوف کا جو وسوسہ شیطان کی کارفرمائی سے دخل انداز ہو سکتا تھا۔ وہ وہیں بیدم ہو کر رہ گیا، قرآن نے جب انفاق کی ترغیب دی تو ساتھ ہی کہا:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَ اللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۝ (البقرہ۔ آیت ۲۶۸)	شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور حکم دیتا ہے، تمہیں بخل کا۔ اور اللہ وعدہ کرتا ہے تم سے اپنی طرف سے گناہ معاف کر دینے اور زیادہ دینے کا۔ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا جاننے والا ہے۔

اس دعوت کا رخ قرآن میں ہر انسان کی طرف ہے، چاہے غنی ہو چاہے فقیر۔ غنی اگر اپنے مال اور اپنی وجاہت سے کارِ خیر میں حصہ لے سکتا ہے تو فقیر اور بے زر کے لئے بھی اس کا ہاتھ ہے۔ اس کا دل ہے، اس کی زبان ہے اور اس کی محنت ہے جسے وہ اس دعوت کی نذر کر سکتا ہے۔ اس طرح اسلام کسی انسان کو یہ سوچنے کا موقع نہیں دیتا کہ وہ کارہائے خیر میں حصہ لینے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

قرآن میں جب انفاق کی دعوت شروع ہوئی تو فقرائِ اسلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گلہ کیا کہ یہ میدانِ سعادت تو تمام تر اہلِ ثروت کے ہاتھ رہے گا۔ آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں کارِ خیر کا وسیلہ صرف مال ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر وہ بات جس سے لوگوں کو نفع پہنچے وہ کارِ خیر ہے:

"تمہارے لئے ہر کلمۂ تسبیح میں صدقہ کا ثواب ہے۔ ہر نیکی کی وصیت میں صدقہ کا ثواب ہے۔ ہر برائی کی روک ٹوک میں صدقہ کا ثواب ہے۔ راستے سے تکلیف وہ چیز ہٹا دینے میں صدقہ کا ثواب ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان صفائی کرا دینے میں صدقہ کا ثواب ہے۔ کسی کو سواری پر سوار ہونے میں مدد دیدو تو یہ بھی کچھ کم صدقہ نہیں ہے۔" (بخاری و مسلم)

اسلام کی اس تعلیم نے کارِ خیر کے دروازے بلا کسی امتیاز کے ہر انسان پر کھول دئے۔ اب ایک مزدور بھی اس میں حصہ لے سکتا ہے۔ ایک تاجر اور کاشتکار بھی لے سکتا ہے۔ استاد بھی لے سکتا ہے اور طالب علم بھی لے سکتا ہے۔ عورت بھی لے سکتی ہے، بوڑھا اور معذور بھی لے سکتا ہے ان کے

اقتصادی احوال ذرا بھی اس میں مزاحم نہیں کہ نیکی اور بھلائی کی خدمت اپنے سماج میں کریں۔

ایک دوسری بات جو اسلام اپنے ماننے والوں کے دل میں بٹھا کر انہیں انسان دوستی کے بلند ترین افق تک اٹھا دیتا ہے اس کی یہ دعوت کہ نیکی اور بھلائی کے معاملے میں کوئی تفریق بندگانِ خدا کے ساتھ مت کرو۔ پس ارشاد ہوتا ہے:

"مخلوق سب اللہ کا کنبہ اور عیال ہے۔ اس لئے اللہ کو سب سے محبوب وہ آدمی ہے جو اس کے عیال کے لئے زیادہ نفع بخش ہو۔" (طبرانی و مسند عبدالرزاق)

اور آخری بات جو ان مبادیات اور ذہنی تربیت کے سلسلے میں دیکھنے کی ہے وہ یہ کہ اسلام نے اس تمام صرف و انفاق کو جو ایک آدمی راہِ خیر میں کرتا ہے اس کے ذاتی نفع کا کام ٹھہرا کر ایک محبوب ترین کام اُسے بنا دیا ہے وہ کہتا ہے:

(۱) وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ۔ (البقرہ - آیت ۲۷۲) — اور جو کچھ مال خرچ کرو گے تم سو اپنے ہی واسطے۔

(۲) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ۔ (سورہ فصلت ۴۶) — جو شخص اچھا عمل کرے گا سو اپنے ہی واسطے۔

انسان فطرۃً خود پرست ہے۔ ہر چیز سے پہلے اپنے آپ پر اس کی نظر جاتی ہے۔ اس فطری پس منظر میں دیکھیے کہ یہ اسلوبِ ترغیب تاثیر کی کیسی صلاحیت رکھتا ہے۔ اب بخیل بھی آمادۂ سخاوت ہو سکتا ہے، ایک حریص کی گرہ بھی اب کھلے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور جہاں اولاد و اقارب مدد کے روادار نہ ہوں گے وہاں یہ حریص اور بخیل طبیعت لوگ غیر ہوتے ہوئے بہت کچھ کر گزریں گے۔

قرآن کی جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً۔ (البقرہ ۲۴۵) — کون ایسا ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ قرض دے پھر اللہ اُسے بڑھا کر اس کے لئے کئی گنا کر دے۔

تو صحابی ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا اللہ بھی اپنے بندوں سے قرض چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! ابوالدحداح نے عرض کیا حضور اپنا ہاتھ لائیے اور آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر، آپ کو گواہ بنایا کہ انہوں نے اپنا وہ باغ صدقہ کر دیا ہے جو بلا شرکت غیرے ان کا تھا اور

جس میں سات سو پھلدار کھجور کے درخت ہیں یہ کر کے وہ اپنی بیوی کے پاس آئے جو مع بچوں کے اسی باغ میں رہائش رکھتی تھیں۔ بیوی کو اس کارروائی کی خبر دی۔ اور انہوں نے یہ سنتے ہی باغ چھوڑ دیا اور بڑے اطمینان سے کہا کہ ابو دحداح آپ نے بڑے نفع کا سودا کیا ہے۔

ایک اور آیت :

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (آل عمران)

جب تک تم اپنی محبوب چیزیں خرچ نہ کروگے کامل نیکی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکو گے۔

نازل ہوئی تو صحابی ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور میرا کنواں بَیْرحاء میرا سب سے زیادہ محبوب مال ہے اور یہ اللہ کے لئے صدقہ ہے۔ میں اس کا نفع اللہ کے یہاں چاہتا ہوں۔ آپ اسکو جہاں چاہیں لگا دیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: رکو رکو! یہ بڑے کام کا مال ہے۔ یہ بڑے کام کا مال ہے۔ ایسا کرو کہ ملکیت باقی رکھو، نفع صدقہ کر دو۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ اسلام میں پہلا وقف تھا اور یہیں سے "وقف" کا ادارہ وجود میں آیا۔ جو ہمارے اجتماعی اداروں کی ریڑھ کی ہڈی تھی۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میدان میں اپنی امت کے لئے ایک بہترین مثال قائم کی۔ بعض مجاہدین نے مرتے وقت سات باغوں کے بارے میں وصیت کی تھی کہ ان کا مصرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے۔ آپ نے ان کو فقراء اور مجاہدین اور دوسرے اہل حاجت کے لئے وقف قرار دیا۔ آپ کی پیروی میں حضرت عمرؓ نے بھی اپنی خیبر کی زمین وقف کی۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت معاذ وغیرہ نے وقف کئے۔ بلکہ کوئی صاحب استطاعت صحابی ایسا نہ رہا تھا جس نے کچھ نہ کچھ وقف نہ کیا ہو۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ایک بار پھر وقف کرنے کا عمل زور شور سے شروع ہوا۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ایک زمین وقف کی اور مہاجرین و انصار میں سے چند اصحاب کو بلا کر اس کا گواہ بنایا۔ ان میں سے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کا بیان ہے کہ میں کسی صاحب مقدرت صحابی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں جانتا جس نے اس کے بعد اپنا کوئی مال صدقۂ موقوفہ نہ قرار دیا ہو۔

وقف الخیر کا یہ دستور مسلمانوں میں نسل درنسل منتقل ہوتا رہا، زمینیں، باغات، مکانات

پیداواریں امور خیر کے لئے وقف کی جاتی تھیں، جس کے نتیجہ میں اسلامی معاشرے نے اتنی عام ضرورت کی چیزوں اور رفاہی اور خدمتی اداروں کا بندوبست کیا کہ شمار مشکل ہے۔

یہ ادارے دو طرح کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جنہیں حکومت قائم کرتی تھی اور بڑے بڑے وقف حکومت کی جانب سے اُن کے لئے ہوتے تھے۔ دوسرے وہ جنہیں اعیان سلطنت امراء جیش اور عام اغنیاء جن میں خواتین بھی شامل ہیں، ذاتی طور پر وجود میں لاتے تھے۔ اس مختصر گفتگو میں ان اداروں کی تمام قسمیں بیان کرنے کا وقت نہیں۔ بس جو زیادہ اہم ہیں ان کا کچھ تذکرہ یہاں ہوگا۔

ا۔ اس فہرست میں مساجد کا نمبر سب سے پہلا ہے۔ لوگ اس کام میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بادشاہوں تک کو ذوق تھا کہ مساجد کی عظیم الشان تعمیرات میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہیں۔ اس ضمن میں صرف ولید بن عبدالملک کیطرف اشارہ کافی ہوگا۔ جس نے جامع اموی (دمشق) کی تعمیر میں اس قدر مال خرچ کیا اور اتنے آدمیوں نے اس تعمیر کا کام انجام دیا کہ یقین آنا مشکل ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا نمبر مدارس اور شفاخانوں کا ہے۔ جس کے لئے الگ ایک بیان کی ضرورت ہے اور اس کی تفصیل ہم وہیں کریں گے۔

مدرسوں اور شفاخانوں کے علاوہ سرائیں اور مسافر خانے بنائے جاتے۔ تکیے اور خانقاہیں اُن بندگانِ خدا کے لئے قائم کی جاتی تھیں جو یادِ الٰہی کے لئے گوشۂ عزلت کے خواہاں ہوں۔ ان غریبوں کے لئے مکانات بنائے جاتے تھے جو نہ مکان خرید سکتے ہوں نہ کرائے پر لے سکتے ہوں۔ عام راستوں پر سبیلوں کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ عوامی لنگر خانے قائم کئے جاتے تھے جہاں سے روٹی، گوشت اور کوئی میٹھا ضرور تمندوں کو تقسیم ہوتا۔ سلطان سلیم کے تکیے اور شیخ محی الدین کے تکیے میں ابھی قریبی زمانے تک ایسے لنگر خانے دمشق میں موجود تھے۔ حاجیوں کے لئے مکہ مکرمہ میں اقامت گاہیں اسی ضمن میں بنوائی جاتی تھیں اور اس کثرت سے بنوائی جاتی تھیں کہ سر زمین مکہ پر کوئی چپہ مشکل سے باقی رہا ہوگا۔ بعض فقہاء نے اسی بناء پر ایک زمانے میں مکہ کے مکانات کرائے پر اٹھانا باطل قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ سب حجاج کے لئے وقف ہیں۔ جنگلوں میں کنوئیں کار خیر کے طور پر کھدوائے جاتے تھے تاکہ اہل حاجت کی کھیتیاں، مویشی اور راہ گیر سیراب ہو سکیں۔ بغداد اور مکہ کے راستے پر دمشق اور مدینے کے راستے پر اور مختلف اسلامی شہروں، قریوں اور خاص کر راجدھانیوں کے درمیانی راستوں پر اس کار خیر کی اس قدر کثرت تھی کہ شاذ و نادر ہی کبھی کوئی مسافر ان ایام میں پیاس اور پانی کی

ناپابی سے دوچار ہوا ہوگا۔ بیرونی حملوں کی روک تھام کے لئے جو سپاہ اسلامی سرحدوں پر جگہ جگہ متعین ہوتی تھی، اس کے لئے قیام گاہیں لوگ فی سبیل اللہ بنواتے تھے۔ اور یہاں صرف قیام ہی کا نہیں، کھانے پینے سے بلکہ اسلحہ اور رسد کے ذخیروں تک کا بندوبست کیا جاتا تھا عباسی دور میں رومی حملوں کی مدافعت اور جنگہائے صلیبی کے دور میں شام و مصر پر فرنگیوں کی یورشیں روکنے میں ان فی سبیل اللہ انتظامات کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ مستقل اوقاف مجاہدین کو گھوڑے تلواریں اور نیزے وغیرہ آلات حرب مہیا کرنے کے لئے قائم تھے۔ جس سے ہمارے دیار میں جنگی صنعت کو بڑا فروغ ہوا، حتیٰ کہ صلیبی لڑائیوں کے دور میں جب کوئی صلح کا وقت ہوتا تو اہلِ فرنگ خاص طور سے ہتھیار خریدنے بھی ہمارے ہی پاس آتے تھے۔ اور علماء کو فتویٰ دینا پڑا تھا کہ ان کے ہاتھ اسلحہ کی فروخت حرام ہے۔

کچھ خاص وقف اس ضمن میں ایسے بھی تھے جن کی آمدنی ایسی اتفاقی صورتوں میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف تھی جبکہ مملکت اُن تمام لوگوں کے لئے بندوبست سے قاصر ہو جو جہاد پر جانا چاہیں....

بہت سے اوقاف راستوں اور پلوں کی درستی کے لئے ہوتے تھے بہت سے لوگ قبرستان کے لئے زمینیں وقف کرتے تھے۔ نادار میتوں کی تجہیز و تکفین اور مصارف دفن کے لئے بھی اوقاف تھے۔

ان سب کے علاوہ اہلِ ضرورت کی پوری پوری سماجی کفالت کے نقطۂ نظر سے جو خیراتی ادارے ہمارے یہاں وجود میں آئے اُن میں پڑھے چلے۔ بچوں اور یتیموں کی پرورش کے ادارے تھے۔ نابیناؤں، معذوروں اور از کار رفتہ بڈھوں کی کفالت کے ادارے تھے جہاں اُن کی زندگی کے دن ہر ممکن عزت اور سہولت کے ساتھ گزر جاتے تھے۔

بعض ادارے مخصوص طور سے قیدیوں کی خبر گیری کے لئے تھے جن سے دوسری اعانتوں کے علاوہ ان کی صحت برقرار رکھنے کے لئے مناسب غذا کا انتظام بھی کیا جاتا تھا۔ حد یہ ہے کہ نابیناؤں کی رہبری اور معذوروں کی خدمت کے لئے ان کے گھروں پر آدمی مقرر کرنے والے ادارے بھی ہمارے یہاں قائم کئے گئے ہیں۔

جوان لڑکے اور لڑکیاں جو نہ خود شادی کا بار اٹھا سکتے ہوں اور نہ ان کے سرپرست اس قابل ہوں ان کی ضروری مدد کرنے کے لئے ادارے تھے جو مہر تک کی ادائیگی کا بندوبست

کرتے تھے۔

بچوں کیلئے مفت دودھ فراہم کرنے والے ادارے آج کی دین سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں اس سے کہیں پہلے دودھ اور شکر دونوں کا انتظام کرنے والے ادارے رہ چکے ہیں، جن میں للّٰہیت کا عنصر مزید تھا۔ سلطان صلاح الدین کا جو قلعہ آج بھی دمشق میں موجود ہے۔ اس کے ایک دروازے پر ایک طرف ایک پرنالہ تھا جس سے دودھ بہایا جاتا تھا، دوسری طرف دوسرا پرنالہ جس سے پانی میں گھلی ہوئی شکر بہہ کر آتی تھی۔ ہفتہ میں دو دن مقرر تھے کہ مائیں آئیں اور بچوں کے لئے جس قدر دودھ اور شکر کی ضرورت ہوتی یہاں سے لے جائیں ___

اور اس ندرت خیال کا تو جواب ہی امور خیر کی تاریخ میں نہیں کہ وقف کی ایک قسم نازک پلیٹوں اور تشتریوں کے لئے تھی کہ کسی بچے یا خادم سے رستے میں کوئی قیمتی پلیٹ یا تشتری گر کر ٹوٹ جائے تو وہ سیدھا اس ادارے میں چلا آئے اور ٹوٹی ہوئی کی جگہ نئی لیکر اس طرح گھر واپس جائے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

سب سے آخر میں ان اداروں کی ایک قسم اور سن لیجئے۔ یہ وہ ادارے تھے جو بیمار اور کمزور جانوروں کے علاج اور پرورش کے لئے قائم تھے۔ دمشق کا ادارہ "مرج اخضر" جس کی جگہ پر آج اسٹیڈیم بن گیا ہے اسی نوعیت کا ایک ادارہ تھا۔ الغرض عمر رسیدہ اور کمزور و بیمار جانوروں کے لئے مستقل وقف تھے۔ جن سے ان کے آخر دم تک ان کی ضرورت پوری کی جاتی تھیں۔

تو یہ تیس قسم کے خیراتی اور کفالتی ادارے ہوئے جن کا یہاں ذکر کیا گیا کہ اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن نے ان کو وجود دیا۔ کیا ان کی واقعی معنیٰ میں کوئی مثال ہم سے پہلے ملتی ہے۔؟ اور کیا آج بھی ان میں سے بہت سوں کی نظیر موجودہ تمدن کے پاس ہے۔؟ ■■

١- ڈاکٹر سید حمید اللہ صاحب پیرس یونیورسٹی۔ فرانس
(شہرۂ آفاق محقق اور سکالر)

★

٢- جناب مولانا عبدالقدوس صاحب ہاشمی
(ادارۂ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد)

سلسلہ ۱ و ۲

سوالنامہ

١- آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنفین نے متاثر کیا۔ اور آپ کی حسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے۔؟

٢- ایسی کتابوں اور مصنفین کی خصوصیت۔

٣- کن مجلات اور جرائد سے آپ کو شغف رہا۔ موجودہ صحافت میں کون سے جرائد آپ کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔؟

٤- آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درسگاہوں سے خاص اثرات لئے۔ ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلبار کی تعمیر و تربیت میں مدد ملی۔

٥- اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث و نوازل کا سامنا ہے اس کے لئے قدیم

آپ نے کچھ سوال فرمائے ہیں۔ مجھے اس قسم کے سوالوں سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ یا۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب۔

کتابوں کے سلسلے میں میرا اصول خذ ما صفا دع ما کدر کا ہے۔ قرآن و حدیث کے باہر کوئی کتاب سو فیصد صحیح ہو نہیں سکتی۔ میں نے دوستوں اور دشمنوں دونوں کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔

میں اردو میں معارف اعظم گڑھ کو پسند کرتا ہوں۔ اردو میں کم ہی کوئی کام کی چیز ملتی ہے۔

حیدرآباد، جرمنی اور فرانس کی درسگاہوں میں اساتذہ سے تو کم، اپنی ذاتی تلاش اور مطالعے

یا معاصر اہل علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کارآمد مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔؟

۶۔ علمی اور دینی محاذوں پہ کئی فتنے تخریبی، الحادی اور تجددی رنگ میں (مثلاً انکارِ حدیث، عقلیت، اباحیت، تجدد، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرنزم۔) مصروف ہیں۔ ان کی سنجیدہ علمی احتساب میں کونسی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔؟

۷۔ موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔

۸۔ مدارس عربیہ کے موجودہ نصاب اور نظام میں وہ کونسی تبدیلیاں ہیں جو اسے موثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں۔

امید ہے اپنے مفید خیالات سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

...

سے ہی وہ سیکھا جو اب جانتا ہوں۔ (اور جو بہت حقیر ہی علم ہے) تاثر یہی ہے کہ آدمی اپنی ذاتی محنت اور کاوش سے کچھ سیکھتا ہے، اور بس۔ ایک ہی استاد کے ایک ہی لکچر سے دو طلبہ دو سو مختلف سبق سیکھتے ہیں۔

مجھے عصرِ حاضر کے مسائل سے دلچسپی نہیں میرا موضوع اس سے مختلف ہے۔ اس سے آپ کے سوال ز، ح، ط پہ اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتا ہوں۔

چونکہ "مدارس عربیہ کے موجودہ نصاب" سے میں واقف نہیں ہوں۔ اس لئے کسی رائے زنی کا امکان بھی نہیں۔ آدمی قرآن و حدیث جیسی بنیادی چیزوں کے پڑھنے بلکہ سمجھنے سے بھی آدمی نہیں بنتا، بلکہ ان پر عمل کرنے سے۔ بقول سعدی کے بداخلاق آدمیوں سے آدمی خوش اخلاق بنتا ہے، اگر ان کو نمونہ بنائے کہ خود ویسا نہ کرے۔ (محمد حمید اللہ پیرس)

مولانا عبدالقدوس ہاشمی

میرے ذاتی حالات کچھ بہت زیادہ دلچسپ نہیں، نہ میری زندگی بڑی بڑی مہمات سے بھری ہوئی ہے۔ کہ لوگوں کو ان مہمات کے پڑھنے میں مزہ آئے۔ اس لئے اس قصہ کو جانے دیجئے۔ البتہ تعلیم پہ دو چار سطریں اس لئے لکھے دیتا ہوں کہ لوگوں کو آج سے ساٹھ سال پہلے کے تعلیمی انداز کا کسی قدر اندازہ ہو جائے۔

صوبہ بہار کے شہر گیا سے شمال کیطرف سادات کی ایک بستی مخدوم پور کے نام سے آباد ہے۔ میں نے اس بستی میں ۲۶ر جولائی ۱۹۱۱ء کو عالم آب و گل میں آنکھ کھولی۔ والد مرحوم مولانا سید اوسط حسین صاحب، ایک بڑے عالم، مشہور عالم حدیث شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب، محدث دہلوی کے شاگرد رشید اور دور کے رشتہ دار تھے،

تین چار سال کی عمر ہوئی تو ایک خاص معلم میری تعلیم کے لئے ملازم رکھے گئے، بوڑھے آدمی، نیکوکار اور نیک دل ملک منور حسین صاحب، انہوں نے مجھے تعلیم و تربیت دی، کبھی کبھی خود والد مرحوم بھی پڑھاتے تھے، میں نے ملک صاحب مرحوم سے انجمن حمایت اسلام لاہور کا اردو کا قاعدہ، پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی پڑھی میری آج بھی یہ رائے ہے کہ انجمن کی ان درسیات سے بہتر کوئی سلسلۂ تعلیم اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔ اس زمانہ میں چوتھی کتاب کے بعد میں نے انجمن حمایت اسلام لاہور ہی کے شائع کردہ دینیات کے رسالے بھی پڑھے اور فارسی کی پہلی دوسری کتابیں بھی پڑھیں۔ اور پھر فارسی کی اعلیٰ کتابیں بھی یہیں تمام ہوئیں۔

قرآن مجید (ناظرہ) مجھے میری خالہ مرحومہ بی بی قریشہ خاتون صاحبہ نے گھر میں پڑھایا، کلمے بھی یاد کرائے، نماز بھی سکھائی، اور بہشتی زیور مصنفہ مولانا اشرف تھانوی مرحوم میں سے کچھ انتخابات پڑھائے۔

میں ۹-۱۰ سال کی درمیانی عمر میں تھا کہ والد مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے قریبی بستی بھتیاں واں کے ہندو پاٹ شالہ میں داخل کر دیا گیا۔ یہاں میں نے ہندی زبان اور حساب کی تعلیم حاصل کی۔ ایک سال کے بعد شہر گیا کے مدرسہ انوار العلوم میں داخل ہوا۔ اس زمانہ میں مولانا سید محمد سجاد مرحوم جو بعد کو نائب امیر شریعت اور جمعیۃ العلمائے دہلی کے صدر بھی رہے، مدرسہ انوار العلوم میں صدر مدرس تھے، مدرسہ میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اور خود مولانا سید محمد سجاد صاحب نے قرآن مجید مع ترجمہ سبقاً سبقاً مکمل پڑھایا۔

والد مرحوم کا جب انتقال ہوا تھا۔ اس وقت میں اردو اور فارسی میں لکھنے پڑھنے کے قابل ہو چکا تھا۔ البتہ قرآن مجید کے صرف تین پارے اس وقت تک حفظ کئے تھے۔ اور روزانہ اپنی خالہ کو سنایا کرتا تھا۔

مدرسہ انوار العلوم گیا کے بعد مجھے مؤ ضلع اعظم گڑھ کے مدرسہ عالیہ میں داخل کیا گیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے شاگرد مولانا عبدالرحمٰن ابو النعمان مرحوم مغفور صدر مدرس تھے، وہ میرے والد مرحوم کے ہم سبق رہ چکے تھے۔ اس لئے بڑے مہربان تھے، مدرسہ دار العلوم دیوبند کے انداز کا تھا، اور بغیر کسی فرق کے وہی درس نظامیہ اس میں جاری تھا۔ میں نے بھی کئی سال میں درس نظامیہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوا وہاں مجھے مولانا حیدر حسن خاں محدث ٹونکی اور شمس العلماء مولانا محمد حفیظ اللہ شاگرد مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ ندوہ کا کورس آخری درجۂ فاضل تک مکمل کیا ——

مرحوم مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا عبدالواحد عثمانی

اور پرنسپل محمد اکبر وغیرہ میرے ہم سبق رہے۔
میرے گھر میں والد مرحوم کا ایک بڑا
کتب خانہ تھا، اس پر مزید خوش قسمتی یہ کہ
مجھے تعلیم کے بعد ہی سے کتب خانوں میں
کام کرنے کا موقع مل گیا۔ اس لئے میں نے مختلف
علوم و فنون پر ہزاروں ہی کتابوں کا مطالعہ کیا
انگریزی، سنسکرت، عبرانی اور ترکی زبانیں بھی
سیکھ لیں۔ اس طرح ان زبانوں میں لکھی ہوئی
کتابوں کا مطالعہ بھی آسان ہو گیا۔ میں نے کتابیں
پڑھنے کے سوا زندگی میں کوئی کام قابل ذکر
انجام نہیں دیا۔ تفسیر ابن کثیر اور سنن کبریٰ للبیہقی
اور صبح الاعشیٰ للقلقشندی سے لے کر طلسم
ہوشربا اور طلسم فتنہ نور افشاں کی جلدیں تک
پڑھیں۔ شرر مرحوم کے ناولوں سے لے کر
پوچ اور لچر کتابیں تک پڑھ ڈالیں لیکن ؎

کیا کچھ نہ پڑھا، پر کچھ نہ پڑھا، گو عمر بسر کی پڑھنے میں۔
جب سامنے آیا دفتر گل تب جہل کا اپنے راز کھلا

اس سوال کا جواب دینا میرے لئے
بڑا مشکل کام ہے کہ میں کن کتابوں سے متاثر
ہوا، تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابوں سے کیا
اثر لیا یہ تو ظاہر ہے۔ دیندار گھرانے میں آنکھ
کھلی، دیندار علماء کی تربیت پائی، ہر کتاب
سے اثر لیا۔ اور اثر لینا ہی چاہئے تھا، بخاری
شریف، تفسیر ابن کثیر، احیاء العلوم غزالی، اور
فقہ کی اعلیٰ کتابوں سے اثر نہ لینا کیا معنی ــــ؟

اسی طرح امام تیمیہ کی کتابوں سے اثر پذیر نہ
ہونے والے میں قبول حق کا فقدان تو ہو سکتا
ہے۔ کتاب کا نقص نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے
میں کہہ سکتا ہوں کہ ہر فن کی اچھی اور بہتر کتاب
سے دل و دماغ نے اثر قبول کیا۔ تفسیر، حدیث
فقہ اور تصوف کی کسی کتاب کا ذکر ضروری
نہیں بلکہ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

تمتع زہر گوشہ یافتم
زہر خرمنے خوشہ یافتم

ان علوم کے علاوہ دوسرے علوم کی کتابوں سے
بھی ہمیشہ فائدہ ہی حاصل کیا۔ کسی سے صراط مستقیم
کی طرف رہنمائی ملی اور کسی سے گمراہی کی نشاندہی
کا فائدہ حاصل ہوا، مطالعہ کا فائدہ بہرحال ہمیشہ
حاصل ہوتا ہی رہا۔

مطالعہ کی دو قسمیں میں نے مطالعہ کی دو قسمیں
قرار دے رکھی ہیں۔ ایک کا نام میں نے کماؤ مطالعہ
رکھا ہے۔ یعنی ایسا مطالعہ جس سے ہم کچھ کماتے
اور حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً امام ابن تیمیہ کی کتاب
منہاج السنۃ، یا امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم
ہم ان کتابوں کے مطالعہ سے وہ حاصل کرتے
ہیں جو ان بزرگوں نے اپنی ساری عمر میں مطالعہ،
فکر اور تدبر کے ذریعہ کمایا تھا اور ہمارے لئے
اپنی کتابوں میں اسے محفوظ کر دیا تھا۔ اسی طرح
ایک شخص جو امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات
کا مطالعہ کرتا ہے۔ وہ گویا اپنی عمر کے ایک چھوٹے

سے حصہ کے عوض حضرت مجدد رحمۃ اللہ کی مقدس زندگی کے تجربات حاصل کر لیتا ہے۔

مطالعہ کی دوسری قسم گنواؤ مطالعہ ہے۔ یہ وہ مطالعہ ہے جس میں آدمی اپنی عمر کو بھی گنوا دیتا ہے، اور حقیقۃً کچھ بھی حاصل نہیں کرتا۔ مثلاً کوئی شخص گھٹیا درجہ کے افسانے اور ڈرامے پڑھنے میں یا سینما دیکھنے میں اپنا وقت ضائع کرتا ہے تو حقیقۃً اپنی عمر کا ایک حصہ گنوا دیتا ہے۔ اور اس کے عوض کچھ بھی اسے حاصل نہیں ہوتا، اس کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوتی ہے کہ ہیرو کی جگہ وہ خود ہوتا لیکن یہ تمنا بے حاصل ہوتی ہے شاید ہی کسی نے ڈراموں کو حقیقت سمجھ کر اپنے اندر کوئی فکری یا عملی انقلاب پیدا کیا ہو، ان گھٹیا درجہ کے افسانوں اور ڈراموں کی زبان بھی اتنی اچھی نہیں ہوتی کہ ان کے ذریعہ زبان سیکھنے کا فائدہ اٹھایا جا سکے۔ میں نے مختلف زبانوں میں ایسے سینکڑوں نہیں، ہزاروں ہی فسانے اور ڈرامے پڑھے، لیکن زباندانی کا فائدہ بھی ان سے حاصل نہ ہو سکا۔ ممکن ہے کہ ہزاروں میں سے دو چار نے کوئی فائدہ ان سے حاصل کیا ہو۔ لیکن میرا تجربہ یہ ہے کہ زباندانی کا فائدہ دوسری علمی کتابوں سے کم وقت میں زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اس قسم کے مطالعہ کو میں "گنواؤ مطالعہ" کہتا ہوں۔

اب میں اردو زبان کی دس کتابوں کا ذکر کرتا ہوں جن سے مجھے بڑا فائدہ حاصل ہوا۔ ظاہر ہے کہ ایسی ساری کتابوں کا ذکر جن سے میں متاثر ہوا، چند صفحات کے ایک مضمون میں تو کیا، شاید ایک ضخیم تصنیف میں بھی ممکن نہیں اس لئے صرف دس کتابوں ہی کا ذکر کروں گا:

۱۔ خطباتِ مدراس: علامہ سید سلیمان ندویؒ کے آٹھ مشہور خطبات جو انہوں نے سیرۃ طیبہ کے موضوع پر لالی ہال مدراس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے دئے تھے۔ اس چھوٹی سی کتاب کے ترجمے مختلف یورپی اور ایشیائی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ جو شخص ان خطبات کو غور سے پڑھے گا، میری اس رائے سے اتفاق کرے گا کہ یہ مختصر سی کتاب اپنے موضوع پر بے مثال کتاب ہے، اور اگر آدمی میں ذرا بھی قبولِ حق کی صلاحیت موجود ہے تو یہ چند اوراق انسان میں فکری اور عملی انقلاب پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں۔

۲۔ سیرۃ النبی کی جلد ۳، ۴، ۵، ۶ مصنفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ، اعلیٰ تعلیم یافتہ کے لئے بہترین کتابیں ہیں، میں نے کسی زبان میں اس سے بہتر اور مفید کتاب نہیں دیکھی اور یہی رائے مولانا محمد علی جوہر مرحوم اور علامہ اقبال مرحوم نے اسکے مطالعہ کے بعد ظاہر فرمائی تھی۔

۳۔ بہشتی زیور: مصنفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کو بھی میں نے بڑی مفید اور لاجواب کتاب

پایا۔ جزوی طور پر اختلاف ممکن ہے۔ لیکن مجموعی طور پر یہ کتاب اتنی کارآمد اور مفید ہے کہ اردو ہی میں نہیں بلکہ اور زبانوں میں بھی اس کے مقابل کوئی کتاب نہیں ٹھہرے گی۔

۴۔ تاریخ ارض مقدس: مصنفہ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں، تاریخ یہود اور تاریخ عیسائیت، ضخامت بہت زیادہ نہیں لیکن اس موضوع پر یہودیوں اور عیسائیوں کی لکھی ہوئی بہت سی ضخیم کتابوں کے مطالعہ کے بعد اس چھوٹی سی کتاب کی قدر معلوم ہو سکی۔ اتنی معلومات اور اس قدر اختصار کے ساتھ نہایت سلجھے ہوئے انداز میں پیش کی گئی ہیں کہ کسی اور جگہ اسکی نظیر نہیں ملتی۔

۵۔ دین و دانش: مصنفہ پروفیسر محمود علی کپور تھلہ میں نے اس کتاب کو اردو کی بہترین کتابوں میں سے ایک لاجواب کتاب پایا۔ اسے کئی بار پڑھا۔ یہ اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ میں نے اس کتاب کو پڑھ کر بہت فائدہ اٹھایا۔ اور میری رائے میں یہ کتاب اس قابل ہے کہ مدرسوں اور کالجوں میں طلبہ کو پڑھائی جائے۔

۶۔ الجہاد فی الاسلام: مصنفہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، اسلام میں جہاد کے مقاصد و احکام کیا ہیں۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب میں نے نہیں دیکھی، میں نے اسے ایک بار اپنی طالب علمی کے زمانہ میں پڑھا تھا، اور دوسری بار اب بڑھاپے میں پڑھا۔ بڑی مفید اور صحیح معلومات بڑے ادیبانہ انداز میں پیش کی گئی ہیں۔

۷۔ اسلام کا اقتصادی نظام: مصنفہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مرحوم، اگرچہ یہ کتاب اصطلاحی معنوں میں فن معاشیات پر نہیں لکھی گئی ہے۔ لیکن مفید معلومات اور ترتیب و تنسیق کے اعتبار سے معاشیات کی ایک بہترین کتاب ہے۔ میں نے ایک بار نہیں دو بار اس کتاب کو پڑھا اور اس وقت پڑھا جب کہ میں یونیورسٹیوں کے مقررہ نصاب ایم اے (معاشیات) کی ساری کتابیں پڑھ چکا تھا، اگر مروجہ فن معاشیات کی دو ایک ابتدائی کتابوں کے بعد اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو زیادہ مفید ہوگا۔

۸۔ الفاروق: مصنفہ مولانا شبلی نعمانی مرحوم ہر اعتبار سے ایک ایسی کتاب ہے، جس پر کوئی زبان فخر کر سکتی ہے، اس کا ترکی ترجمہ عمر رضا نے اور انگریزی ترجمہ شبلی کے لائق شاگرد مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کیا ہے۔ معلومات، قوت تحریر اور ادیبانہ انداز بیان کے لئے شبلی کا نام کافی ہے۔ میں نے اسے کئی بار شروع سے آخر تک پڑھا، اور ہر بار اس سے متاثر ہوا۔

۹۔ الدین القیم: مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم۔ چھوٹی سی کتاب ہے، لیکن بہت ہی کارآمد۔ عام طور سے مدارس و کلیات میں پڑھائی جاتی ہے۔ میں نے اس کتاب سے اور اس کے فاضل مصنف سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ مولانا مرحوم کیساتھ

کئی سال بسر کئے ہیں اور ان کے کمالات علمی سے استفادہ کیا ہے۔

۱۰۔ رحمۃ للعالمین : قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری مشہور کتاب ہے۔ یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ میں نے اس کتاب کو پڑھ کر اس سے اچھا اثر لیا۔ تحقیق و تلاش سے اسکی بعض روایات پر گفتگو کی جا سکتی ہے لیکن جو شخص اسے غور سے پڑھے گا، اپنے لئے مفید پائے گا۔

مندرجہ بالا دس کتابوں کے بعد شاید یہ سوال پیدا ہو کہ میں نے شعر العجم (مولانا شبلی) موازنہ انیس و دبیر (مولانا شبلی) اردو کی بہترین کتاب خیام (سید سلیمان ندوی) حیات شبلی (سید سلیمان ندوی) اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی تصانیف کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان بزرگوں کی تحریروں سے بہت کچھ استفادہ کیا، اور بہت کچھ سیکھا ہے۔

اس کی ایک عام وجہ تو وہی ہے جو میں شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ ان تمام کتابوں کا ذکر ممکن نہیں ہے۔ جن سے میں نے کوئی اثر لیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا دس کتابیں اردو زبان کی وہ کتابیں ہیں جو مطالعہ کرنے والے کے یقین و عمل پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہیں، اور اپنے تجربہ کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھ پر ان کتابوں کا اثر پڑا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر شخص پر ایسا ہی اثر پڑھ سکتا ہے۔ یہ بالکل شخصی و انفرادی معاملہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی شخص پر اثر پڑے اور کسی پر کوئی اثر نہ ہو۔ لیکن پھر بھی میں یہ مشورہ دونگا کہ پڑھنے والے ان کتابوں کو پڑھیں اور غور سے پڑھیں۔ ہر پڑھنے والے کو ان سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوگا۔

کتابوں اور رسالوں کی قسمیں | اب دوسرے سوال کو لیجئے، اس وقت جو کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور جو رسالے شائع ہو رہے ہیں۔ میں ان میں سے کس قسم کی کتابوں اور رسالوں کو پسند کرتا ہوں۔ اس کا جواب ضمناً آچکا، وہ یہ کہ جس کتاب یا رسالہ کے پڑھنے سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ گزاوڑ مطالعہ کے ذیل میں آتے ہیں۔ اور میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ انہیں پسندیدہ نظروں سے دیکھوں، عام ادبی و تفریحی تحریروں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اگرچہ میں انہیں پڑھ لیتا ہوں، لیکن اس کی وجہ پسندیدگی نہیں بلکہ پڑھنے کا وہ مرض ہے جو اب میری ذات میں مزمن ہو چکا ہے۔

میں کتابوں اور رسالوں کو ابتدائی تقسیم کے طور پر تین درجوں میں تقسیم کرتا ہوں۔

پہلا درجہ : وہ کتابیں اور رسائل جن کے مطالعہ سے قاری کا یقین متاثر ہوتا ہے۔ اور اسی کے مطابق عمل میں انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ ان میں دینی کتابیں، بزرگوں کے احوال، تاریخ انسانی

کے عبرتناک واقعات دورِ حاضر کے حالات
اور علمی انکشافات، اصول قانون وغیرہ داخل
ہیں۔۔۔
اس درجہ میں ذیلی تقسیم در تقسیم بھی ہو سکتی
ہے۔ بلکہ ہونی چاہیئے۔ لیکن اصل مقصود بہرحال یہی
رہنا چاہیئے کہ کسی کتاب یا مقالہ کے پڑھنے سے
ہمارا یقین کس حد تک متاثر ہوتا ہے۔ اور اس
یقین کا جو مطالعہ کے بعد قاری میں پیدا ہوتا ہے
اسکی عملی زندگی پر کیا اثر نمایاں ہوتا ہے۔

دوسرا درجہ: فنی کتابیں اور رسالے۔ ان
میں کارآمد فنون پر لکھی ہوئی تمام کتابیں اور مقالات
داخل ہیں، مثلاً طب، طبعیات، کیمیا، ریاضی
معاشیات، سیاسیات، باغبانی، مرغبانی، مشینیات
صنائع اور ہنرمندی وغیرہ پر لکھے ہوئے مقالات
اور کتابیں، زباندانی و زبان آموزی پر لکھی ہوئی
کتابیں اور مقالات بھی اس درجہ میں داخل ہیں۔
اس درجہ میں بھی ذیلی تقسیم در تقسیم ہونی چاہیئے
اور ایسی تقسیم حقیقۃً موجود ہے، لیکن اصل مقصود
بہرحال برقرار رہنا چاہیئے کہ مطالعہ کے ذریعہ قاری
کو ایسی معلومات مہیا ہو جاتی ہیں جو اس کی زندگی میں
کسی نہ کسی موقع پر کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔

تیسرا درجہ: مندرجہ بالا دونوں درجوں سے
باہر کی ساری کتابیں اور مقالات اس درجہ میں
داخل ہیں۔ مثلاً سیاسی پروپیگنڈے کی کتابیں
خاص خاص مقاصد کے ماتحت لکھی ہوئی تاریخیں
اور گھٹیا درجہ کے شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لئے
تحقیقاتی کارناموں کے نام سے لکھی ہوئی کتابیں
اور مقالات جن میں سے اکثر کا مقصد دوسری
قوموں میں بے یقینی اور احساس کمتری پیدا کرنے
کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ مثال کے لئے نولڈیکے،
ولیم میور، اور پادری زویمر کے مقالات اور
ان کی کتابیں دیکھیئے۔

قدیم اور جدید فلسفیوں کے افکار کا مطالعہ
کرنے کے بعد میں نے فلسفہ کی کتابوں کو بھی
اسی تیسرے درجہ میں داخل کر دیا ہے۔ افلاطون
و ارسطو کی حماقتوں سے لے کر ہیگل اور رینان
تک کی تحریروں کا حاصل بے یقینی، بے حضوری
اور بے عملی کے سوا کچھ نہیں۔

حکیم الاسلام علامہ اقبالؒ نے بالکل سچ کہا
ہے کہ ؎

حاصل ہے خرد کا بے حضوری
ہے فلسفہؑ زندگی سے دوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت
ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت

انسانی زندگی کی تکمیل اور حیاتِ ارضی میں
کامیابی کے لئے نہ فلسفیوں کے افکار رہنما ہو سکتے
ہیں اور نہ ان کے اعمال، غیر مسلم فلسفیوں کو کیا کہیئے،
خود اپنے مسلمان فلسفیوں کی کتابیں پڑھیئے تو افکار
میں تضاد، شک بالائے شک، ہر بات غیر یقینی
بے ضرورت طولِ کلام اور بے فائدہ موشگافیاں

کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ رہا عمل کا معاملہ تو اس کے لئے معلم ثانی ابو نصر فارابی اور حکیم ثالث بو علی سینا کے حالات زندگی کو دیکھئے، قول سے فعل اور فعل سے قول کہیں نہیں ملتا۔ ساری زندگی دل و دماغ کی جنگ نظر آتی ہے۔

اس کے برخلاف انبیاء کرام کی زندگیوں کو دیکھئے، کتنا محکم یقین اور کس قدر پختہ عمل دکھائی دیتا ہے۔ دوسروں کو جو یقین رکھنے کیلئے کہتے ہیں، خود اس پر یقین رکھتے ہیں، اور سب سے زیادہ محکم یقین رکھتے ہیں۔ جو عمل کرنے کی ہدایت دوسروں کو دیتے ہیں، خود اس پر سب سے زیادہ سختی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ؎

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

٭ ٭ ٭

قسط ۔ ۳

حضرۃ علامہ مولانا شمس الحق افغانی

سیرتِ نبویؐ اور مستشرقین

وحی
جہاد
تحریمِ شراب
پر
اعتراضات کی حقیقت

وحی پر اعتراض | مستشرقین کا یہ کہنا کہ کیفیتِ وحی مرگی کی بیماری تھی۔ قطعاً نامعقول ہے بوجوہات ذیل کہ :

۱۔ صرع یا مرگی کی بیماری میں مرض کے دورے کے وقت جو واردات ہوتے ہیں مریض کو افاقہ کی حالت میں اسکا قطعاً علم نہیں ہوتا۔ کہ اس پر کیا وارد ہوا۔ اور کس طرح وارد ہوا۔ اس حقیقت پر قدیم اطباء اور جدید ڈاکٹر متفق ہیں۔ جسکو محمد حسین ہیکل مصری نے حیاتِ محمد میں نقل کیا ہے۔ لیکن وحی نبوی کی حالت اس کے خلاف تھی۔ وحی کے دوران کے تمام الفاظ وحی زوالِ کیفیت وحی کے بعد آپکو یاد رہتے تھے اور وحی کی پوری کیفیت آپ کے حافظے میں ہوتی تھی۔ لہذا مرگی کا تخیل صرف الزام تراشی ہے۔

۲۔ دوم یہ کہ مرگی کیساتھ زمین پر گر پڑنا، منہ میں سے جھاگ آنا۔ انگلیوں کا سکڑ جانا لازمی ہے۔ لیکن یہاں ان میں سے کوئی چیز نہیں۔

۳۔ سوم یہ کہ وحی کی حالت میں جو پیغام آپ کو دیا گیا جس کا نام قرآن ہے، اور جسکی لفظی اور معنوی حیرت انگیز معجزانہ خوبیوں سے دنیا بھر کے حکماء اور عقلاء عاجز ہیں۔ اور جسکی اصلاحی تاثیر کا یہ عالم ہے۔ کہ بہت کم عرصہ میں اس نے عرب اور ماوراء عرب کے ان انسانوں کو جنکی زندگی سیاہ اور پر از معاصی تھی اور ناقابلِ اصلاح تھی ایسے درندہ صفت انسانوں کو حضرت نے ایسی پاکیزہ زندگی عطا کی کہ تاریخ انسانیت میں اسکی نظیر نہیں۔ وہ عبادتِ الٰہی خشیۃ اللہ اخلاق میں بے مثال حسنِ معاملات جہاں بانی جہان داری، عدل و انصاف میں یکتا بن گئے۔ کیا کسی مرگی والے کی بات

میں بھی اس قسم کا اثر ممکن ہے۔

۴۔ چہارم یہ کہ نبوت کا زمانہ تیئس ۲۳ سال سے زیادہ ہے۔ اگر اتنی طویل مدت تک کوئی اس موذی مرض کا شکار ہو تو ضرور اسکی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ لیکن پیغمبر اسلام علیہ السلام کی صحت کا یہ حال تھا کہ تریسٹھ سال کی عمر تک جسمانی اور دماغی قوت آپ کی بے نظیر تھی۔ اور سر اور ڈاڑھی مبارک دونوں میں بمشکل بیس بال سفید ہوئے ہوں گے۔ جو انتہائی صحت کی

۵۔ پنجم یہ کہ تیرہ سو سال بعد کے دشمنوں نے آپ کے متعلق یہ فرضی جھوٹ تراشا لیکن جو دشمن آپ کے زمانے میں موجود تھے اور آپ کی حالت کا دن رات مشاہدہ کرتے تھے جن میں مشرکین یہود اور نصاریٰ تھے، ان میں کسی ایک فرد نے بھی آپکی ذات کی نسبت مرض مرگی کا الزام نہیں لگایا، حالانکہ ان دشمنوں کو اس الزام تراشی کی زیادہ ضرورت تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ باحیاء اور کسی قدر انسانی شرافت اور راست گوئی کی اہمیت کے قائل تھے۔ اور اہل استشراق اس سے محروم ہیں۔

جہاد پر مستشرقین کا اعتراض | مستشرقین چونکہ مسیحی استعماری قوتوں کے ہراول دستے ہیں، جو مشنریوں کی طرح اسلامی ملکوں میں سامراجیت کے لئے راہ صاف کرتے ہیں اس راہ کی بڑی رکاوٹ ان کے نزدیک مسلمانوں کا جذبہ جہاد ہے، لہذا انہوں نے سارا زور قلم جہاد پر صرف کیا اور جہاد کو اسلام کی جبری اشاعت کا ذریعہ ٹھہرایا۔ اور اسکو فساد اور وحشیانہ عمل قرار دیا۔ حالانکہ یہ دونوں الزام مسلمانوں کے مذہبی مقدس کتاب قرآن حکیم کے خلاف ہے۔ خود قرآن کا حکم ہے۔ لا اکراہ فی الدین۔

اسلام کیلئے جبر اور فساد کا الزام | دین اسلام کیلئے جبر اور اکراہ منع ہے۔ اس صریح اور واضح حکم کی موجودگی میں قرآن اور صاحب قرآن پر جبر کا الزام قطعاً غلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید استعماری مستشرقین کے علاوہ گذشتہ دور میں یہ الزام یہود و نصاریٰ و مشرکین میں سے کسی نے بھی قرآن اور صاحب قرآن پر نہیں لگایا۔ اگر کسی مسلمان بادشاہ کا شاذ و نادر کوئی واقعہ ایسا گذرا ہو تو وہ قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ اور اس کے خلاف کوئی عمل سند نہیں۔ ابن جریر نے ابن عباس سے اس آیت کا سبب نزول یہ نقل کیا ہے۔ کہ حصین نامی انصاری کے دو بیٹے نصرانی تھے۔ اور باپ مسلمان تھا۔ باپ نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ میں بیٹوں کو اسلام پر مجبور کر سکتا ہوں جس پر یہ آیت اتری جسمیں اسلام پر مجبور کرنے کی ممانعت

کی گئی۔ کیونکہ ایمان وہ معتبر ہے جو دل کے اختیار سے ہو۔ اور اخلاص پر مبنی ہو۔ جیسے لیبلوکم ایکم احسن عملا۔ وما امروا الا لیعبد واللہ مخلصین لہ الدین۔ پہلی آیت میں امتحان مقصود ہے کہ اللہ لوگوں پر یہ ظاہر کر دے کہ دل اور بدن کے عمل میں اپنے اختیار سے کون اچھا ہے۔ اور دوسری آیت میں ہے کہ عبادت وہ مطلوب ہے جس میں اخلاص ہو اور اخلاص دل سے قبول کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی جہاد میں فوجی خدمات کے عوض معمولی جزیہ غیر مسلم ادا کرنے سے اپنے دین پر رہ کر اسلامی مملکت کے تمام حقوق شہریت حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔ یعنی اسوقت جنگ ختم ہو گی جب جزیہ دیکر تابعداری مملکت اسلامی اختیار کرے۔ تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۳۶ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی میں ہے کہ یہ آیت یعنی منع اکراہ اور قبول جزیہ اہل کتاب سے خاص نہیں بلکہ مشرکین کو بھی شامل ہے۔ اگرچہ نزول کا سبب واقعہ اہل الکتاب ہیں۔ فرماتے ہیں قلت تخصیص المورد لا یقتضی تخصیص النص وھو۔ عام سبب نزول و مورد کے خاص ہونے سے نص کی تخصیص نہیں ہو گی۔ بلکہ نص عام ہے۔ اسی طرح لا اکراہ کی آیت منسوخ بھی نہیں جیسے بعض کا خیال کہ یہ اقتلوا المشرکین کافۃ سے منسوخ ہے۔ صاحب مظہری کہتے ہیں نسخ کیلئے تعارض ضروری ہے۔ اور یہاں تعارض نہیں۔ کیونکہ قتال دین پر جبر کیلئے نہیں بلکہ دفع فساد کے لئے ہے۔

مقصد جہاد دین پر جبر نہیں رفع فساد ہے

جہاد کا مقصد خود قرآن نے بیان کیا الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔ اگر تم جہاد نہ کرو گے تو خدا کی زمین میں بڑے فتنے اور فساد برپا ہوں گے۔ یعنی جہاد کا مقصد فتنہ اور فساد کو مٹانا ہے۔ لہذا مستشرقین کا خود جہاد کو فساد کہنا کس قدر غلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کے جن افراد سے فتنے اور فساد کا قوی اندیشہ نہ ہو عین جنگ میں بھی اسلام نے ان کے قتل سے منع فرمایا ہے۔ مثلاً نابالغ بچے، عورتیں، مشائخ یعنی بوڑھے اور رہبان عبادت گذار درویش، اندھے، لنگڑے۔ مظہری ج ۱ ص ۳۳۶

یہ تحقیقی جواب ہے کہ مذہب اسلام خود دین میں جبر کے خلاف ہے۔ اور جہاد فساد نہیں فساد کش عمل ہے۔ جیسے ایک مملکت کے باغی افراد بھی قتل و خونریزی کرتے ہیں۔ اور قانون عدل کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ لیکن قانون عدل کی محافظ فوج جو ان باغیوں سے لڑتی ہے۔ اسکی شکل بھی قتل کی ہے۔ لیکن باغیوں کا قتل فساد اور وحشیانہ عمل ہے اور قانون عدل کی محافظ فوج کا قتل ایک مقدس فعل ہے جو دفعہ فساد اقامت عدل و دفع ظلم کے لئے ہے۔ قرآن

نے صاف اعلان کیا کہ دین میں جبر نہیں اور سنت نبویؐ میں بھی یہ حکم دیا گیا ہے۔ جیسے ذکر ہوا۔ اس کے علاوہ قرآن نے مستشرقین کی غلط الزام تراشی کی تردید کے لئے بار بار اسکا اعلان کیا کہ شبہ نہ رہے۔ سورۂ کہف میں فرمایا:

۱۔ قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ کہدے کہ یہ حق ہے تمہارے پروردگار کیطرف سے تو جو چاہے قبول کرے جو چاہے انکار کرے سورۂ یونس میں فرمایا:

۲۔ ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی تکونوا مومنین۔ اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ لوگوں کو زبردستی مومن بنا دے تو زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے کیا اے پیغمبر تو لوگوں پر اس لئے زبردستی کریگا کہ وہ ایمان لے آئیں، سورۂ توبہ میں قرآن کا ارشاد ہے:

۳۔ وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مأمنہ ذلک بانھم قوم لایعلمون۔ اگر لڑائی میں کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب ہو تو اسکو پناہ دے۔ یہاں تک کہ کلام اللہ سن لے۔ پھر اسکو وہاں پہنچا دے جہاں وہ بے خوف ہو۔ یہ اس لئے کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔ اس میں یہ نہیں فرمایا کہ جب تک مسلمان نہ ہو تو اسکو پناہ نہ دو۔ بلکہ یہ فرمایا کہ پناہ دیکر بے خوف جگہ میں پہنچا دو تاکہ جو کلام اللہ اس نے سنا ہے۔ اس میں غور کرکے صحیح رائے قائم کرے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ خدا کے قرآن کا منشاء یہ ہے کہ ایمان کا محرک تلوار نہ ہو بلکہ پر امن حالت میں غور و خوض ہو ایسی بہت آیتیں ہیں لیکن مقصد کے لئے یہ کافی ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان واضح تصریحات کے باوجود مستشرقین کو یہ غلط فہمی کہاں سے پیدا ہوئی کہ انہوں نے یہ الزام لگایا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اکثر مستشرقین نے قصداً دیدہ دانستہ سیاسی مقصد بر آری کیلئے ایسا کیا اور کچھ نے صاف اقرار کیا کہ اسلام صرف تبلیغ سے پھیلا ہے نہ جبر سے اور جبر کا ایک واقعہ بھی خیر القرون میں نہیں مل سکتا جیسے اسی مقصد کیلئے مسٹر آرنلڈ نے "دی پریچنگ آف اسلام" کتاب لکھی ہے۔ اور یہ دعویٰ اس نے پوری کتاب میں ثابت کیا کہ اسلام جہاں جہاں پھیلا تبلیغ کے اثر سے پھیلا۔ لیکن ایک گروہ غلط فہمی کا شکار ہوا جسکے اسباب غلطی حسب ذیل امور ہیں:۔

۱۔ دورِ اوّل میں عرب میں تبلیغی جماعتیں جہاں جاتی تھیں مسلح ہو کر جاتی تھیں۔ اس مسلح جانے سے ان خود غرض مستشرقین نے یہ سمجھا کہ یہ مسلح مبلغین تلوار کے زور سے تبلیغ اسلام کر رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا قطعاً نہ تھا، بلکہ ایسے واقعات عرب کے ملک میں پیش آئے کہ وہاں کوئی منظم حکومت نہ تھی، مختلف قبائل عرب اپنے اپنے سرداروں کی قیادت میں الگ الگ ریاستیں قائم کر چکے تھے۔ لوٹ کھسوٹ انکا ذریعہ معاش تھا، راستے میں بھی ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا تھا اس کے علاوہ مبلغین حضرات جو مختلف قبائل کے افراد ہوتے تھے وہ جن قبائل سے گذرتے تھے یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ مبلغین کے قبائل کے ساتھ ان کی عداوت ہو اور وہ ان سے انتقام لینے کا قصد کرے۔ ان سب کے علاوہ عرب کی عام عادت یہ تھی کہ حفاظت خود اختیاری کیلئے مسلح سفر کرتے تھے۔ لہٰذا اس اسلحہ بندی کو جبر دین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اکثر اوقات مبلغین کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ اور جس قبیلے میں مبلغین جاتے تھے، انکی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی اگر مقصود اسلام پہ مجبور کرنا ہوتا تو اس کے لئے مبلغین کی یہ قلیل تعداد کیونکر کافی ہو سکتی تھی۔

۲۔ غلط فہمی کی دوسری بڑی وجہ میدانِ جنگ کا وہ پیغام امن ہے جس سے خونریزی ٹل جائے اور امن اور مصالحت قائم ہو حضور علیہ السلام سردارانِ فوج کو یہ حکم دیتے تھے کہ جب تم مشرکوں اور دشمنوں سے مقابل ہو تو ان کو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دو۔ ان میں جو بات بھی وہ مان لے تو ان کی لڑائی سے رک جاؤ۔ اول اسلام کی دعوت دو اگر وہ قبول کرے تو پھر اس سے رک جاؤ پھر ان سے خواہش کرو کہ مسلمانوں کے ملک میں آجائے تو اس کا وہی حق ہوگا جو مسلمانوں کا ہے۔ اگر وہ نہ مانے تو اسکی حالت بدو مسلمانوں کی سی ہوگی۔ قانون ان پہ مسلمانوں کا جاری ہوگا۔ لیکن غنیمت اور میں اس کا حصہ نہ ہوگا جب تک وہ جہاد میں شرکت نہ کرے اگر اسلام قبول نہ کرے، اسکو جزیہ دینے کو کہدو اگر اسکو مان لے تو اس سے بھی رک جاؤ اگر وہ اسکو نہ مانے تو پھر خدا کی مدد مانگ کر لڑائی شروع کر دو۔ مسلم کتاب الجہاد والسیر۔ یہ میدانِ جنگ کی دعوت ہے اسلام پہ جبر سے اس کا تعلق نہیں۔ (باقی آئندہ)

مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی نمایاں خصوصیات

جناب محمد غفاری ایم اے

تمام مذاہب عالم خواہ وہ صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہوں یا رواج پذیر ہوں ان میں صرف اسلام ہی وہ دین ہے جسے مکمل ضابطۂ حیات کا شرف حاصل ہے۔ اسلام نے انسانوں کو نظام معاشیات بھی دیا، اور سیاسیات بھی۔ نظام معاشرت بھی دیا اور نظام عبادت بھی۔ ان میں سے ہر ایک اپنی انگنت خوبیوں کی وجہ سے عالم میں باعث امن وامان، خوشگواری اور خوش اسلوبی، اور رونق اور خوشی بن سکتا ہے۔

اسلام کے نظام ریاست کو عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کا موقع پیغمبر اسلام حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت ملا جب آپ نے مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لاکر انصار مدینہ کی امداد سے ایک ریاست کی طرح ڈالی جو خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں اپنی تکمیل کو پہنچی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مبارک زمانہ ہی وہ وقت تھا جس میں اسلام کے نظام ریاست کو مکمل طور پر اپنایا گیا۔ جب کبھی ہمیں اسلام کے نظام حکومت کا جائزہ لینا ہوتا ہے تو اس دور کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ امید ہے اب آپ ہماری اصطلاح — "مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست" — کا مفہوم سمجھ گئے ہوں گے۔ اب ہم اس ریاست کی نمایاں خصوصیات کا جائزہ لیتے ہیں۔

نظریاتی ریاست: مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست ایک اصولی اور نظریاتی ریاست تھی جس کی اساس رنگ ونسل، زبان ووطن اور معیشت وسیاست کے اشتراک پر نہیں بلکہ خالصۃً

اسلامی نظریہ حیات پر رکھی گئی۔ اس اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کا منصب خدا کے لئے خاص ہے؛

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ ۔ (آل عمران ۔ ۱۵۴) کہہ دیجئے کہ اختیار تو سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ۔ (یوسف ۔ ۴۰) حکم کا چلانا صرف اللہ ہی کو زیب دیتا ہے۔

ع سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۔ (اعراف ۵) آگاہ ہو جاؤ تخلیق کرنا اور حکم کا چلانا اسی کیلئے ہے۔

اللہ تعالیٰ حاکم اعلیٰ ہے۔ اور اس کے احکامات کا زمین میں نافذ کرنا اس کے خلیفہ، انسان، کا کام ہے۔ خلیفہ کا فرض اقامتِ دین یعنی خدا کی شریعت کا اجراء، صالحات کی ترویج اور بدعات اور سیات کا استیصال کرنا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ۔ (الحج ۔ ۴۱) (مسلمان وہ ہیں کہ) اگر ہم انہیں زمین میں صاحبِ اقتدار بنائیں تو وہ نماز قائم کریں گے (نظام) زکوٰۃ جاری کریں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

اس ریاست میں قانون عوام اور خلیفہ دونوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ عوام کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اولوالامر کی تابعداری کریں۔ اگر ان کے احکامات کو اللہ تعالیٰ کے احکامات سے ٹکراتا دیکھیں تو ان کی پیروی نہ کریں۔ بلکہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کریں۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۔ (نسآء ۔ ۵۹) اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تم میں جو صاحبِ اقتدار ہیں ان کا حکم مانو۔ اگر صاحبِ اقتدار اور تمہارے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اسے فیصلہ کرنے کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف لے جاؤ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے اولوالامر کی بات سنے اور اس پر عمل کرے چاہے اسے پسند ہو یا نہ تاوقتیکہ وہ معصیت کا حکم دیں۔ اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سنے اور نہ مانے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد پہلا خطبہ اس بات کی تشریح ہی تو تھی۔ جب آپ نے فرمایا:

"لوگو! میں تم پر خلیفہ مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں بھلائی کے کام کروں تو میرا ساتھ دینا ورنہ اصلاح کر دینا۔ اگر میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرنا۔ اور اگر میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے روگردانی کروں تو تم پر بھی میری کوئی اطاعت نہیں۔" (ابوبکر صدیقؓ از محمد حسین ہیکل)

اسلام نے حکمران کو وعید سنائی:

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ — اور جو اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق
فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ۔ (المائدہ) — فیصلہ نہ کریں، پس وہ انکار کرنیوالے ہیں۔

الغرض اسلامی ریاست، ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہے مگر وہ:

۱۔ تھیاکریسی (THEOCRACY) سے ــــ جس میں مالکیت کے اختیارات ایک مخصوص مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، الگ ہے۔

۲۔ وہ فاشسٹ ریاست، جو خود مقصد بن جاتی ہے اور فرد کو کوئی اہمیت نہیں دیتی، سے بھی مختلف ہے۔

۳۔ وہ قومی ریاست اور سیکولرزم کی آلائشوں سے بھی مبرا ہے۔

۴۔ جمہوری ریاست | مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی دوسری بڑی خصوصیت جمہوریت ہے۔ لیکن یہ موجودہ مروجہ مغربی جمہوریت سے بالکل مختلف ہے۔ آیئے ذرا مغربی جمہوریت کا اسلامی جمہوریت سے موازنہ کریں۔ دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلامی جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ کے اختیارات خداوند قدوس کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ جبکہ مغربی جمہوریت میں عوام ہی بیک وقت حاکم اعلیٰ اور محکوم ہوتے ہیں۔ یہی مفہوم لنکن کی تعریف سے مترشح ہے۔

GOVT. OF THE PEOPLE BY THE PEOPLE, FOR THE PEOPLE.

عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے اور عوام کے لئے۔

یہاں عوام اپنی مرضی سے قانون بناتے ہیں اور توڑتے ہیں، اور اگر وہ چاہیں تو لواطت جیسے گھناؤنے اور اخلاق سوز فعل کو قانونی جواز دے دیں۔ اور چاہیں تو مرد اور عورت کا کھلے بندوں ننگا پھرنا جائز قرار دیں۔ مغربی جمہوریت میں صدر مملکت بلاشبہ عوام کے ووٹوں (ہم نے

احتراماً دھونس، دھاندلی اور ڈنڈا کی نوک کے دلخراش الفاظ استعمال نہیں کئے۔) سے منتخب ہوتا ہے۔ مگر بعد میں یہی ملک کے سیاہ وسپید کا مالک بن جاتا ہے۔ حتیٰ کہ قرونِ مظلمہ کے جابر حکمرانوں کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے کیا ہی اچھا فرمایا ہے:

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب کے مزے میٹھے اثر خواب آوری

گرمیٔ گفتارِ اعضائے مجلس الاماں
یہ بھی سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

مگر مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کا حاکمِ اعلیٰ کا قانون ہر قسم کی خطا سے پاک ہے۔ خداوندِ قدوس جو انسان کی فطرت کا رازداں اور امین ہے۔ اس نے اپنی پاک کتاب میں بنی نوعِ انسان کو ایک ازلی اور ابدی قانون دیا ہے، جس کا انسان کے بدلتے ہوئے حالات، متنوع ضروریات اور کیفیات ساتھ دے سکتے ہیں۔ انسان جو زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے وہ جمہوری طرز پر اس قانون کو رواج دیگا۔

یہاں تک ہم نے مختصراً اسلامی جمہوریت اور مغربی جمہوریت کا فرق واضح کیا ہے۔

اسلامی جمہوریت کی بنیادیں مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ انتخاب

ب۔ شوریٰ

ج۔ مساوات

د۔ اربابِ اقتدار کا معتمد علیہ ہونا۔

ہ۔ عوام کے حقوق و فرائض کا تعین۔

ا انتخاب اسلامی جمہوریت کی پہلی بنیاد "انتخاب" ہے۔ یعنی خلیفہ کا انتخاب عوام کریں۔ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کا پہلا حکمران — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار مدینہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی دعوت پر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور ان کی مرضی سے صاحبِ اقتدار ہوئے۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت انتخابی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کا انتخاب سقیفہ بنی ساعدہ میں مدینہ منورہ کے تمام لوگوں نے جو حقیقت میں اس وقت پورے ملک میں نمائندہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ بغیر کسی دباؤ یا لالچ کے کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب بسترِ مرگ پر تھے تو کبار صحابہؓ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیت لکھوائی اور پھر اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر اور ایک دوسری روایت کے مطابق مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

"لوگو! میں نے (حضرت) عمرؓ کو تم پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔ خدا کی قسم! میں نے یہ فیصلہ کرنے کے لئے اپنے ذہن پر زور ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور اپنے کسی رشتہ دار کو نہیں بلکہ عمرؓ کو جانشین مقرر کیا ہے۔ اب تم انکی اطاعت کرو۔"

(طبری تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص ۶۱۸ المطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ ۱۹۳۹ء)

لوگوں نے بیک آواز کہا:

"ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔" (بحوالہ سابقہ)

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت کسی شخص کو نامزد نہیں کیا بلکہ ایک انتخابی کمیٹی بنائی جس میں تمام عشرہ مبشرہؓ جو ابھی بقید حیات تھے، شامل تھے۔ آخر کار تمام حضرات ایک دوسرے کے حق میں دست بردار ہوتے گئے اور مقابلہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میں رہ گیا۔ دونوں حضرات نے فیصلہ کیا کہ جسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ منتخب کر دیں اسے تمام تسلیم کر لیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے لوگوں سے مل جل کر ان کی رائے معلوم کی اور فیصلہ حضرت عثمانؓ کے حق میں دیا اور تمام لوگوں نے ان کی بیعت کی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد چند اشخاص نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا: "یہ اہل بدر اور اہل شوریٰ کا کام ہے۔ جسے وہ پسند کریں گے، وہی خلیفہ ہوگا، اس سلسلہ میں ہم اکٹھے ہوں گے اور غور و خوض کریں گے۔" (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہؒ ج ۱ ص ۴۱)

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میری بیعت خفیہ نہیں ہو سکتی یہ تو تمام مسلمانوں کا کام ہے۔" (الطبری ج ۳ ص ۴۵۰)

پانچواں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو سلیمان بن عبدالملک نے بنی امیہ کے طریقہ کے مطابق عوام کی مرضی کے بغیر مقرر کر دیا، انہوں نے لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کیا اور فرمایا:

"لوگو! مجھے تم پر حکمران مقرر کیا گیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ایسا تمہاری مرضی جانے بغیر کیا گیا ہے۔ میں اس منصب سے دستبردار ہوتا ہوں، تمہیں آزادی ہے جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو۔" (سیرۃ امیرالمؤمنین عمر بن عبدالعزیز از ابو محمد عبداللہ بن عبدالحکمؒ)

مجمع نے بیک آواز کہا: "آپ ہی کو چنتے ہیں اور مجمع میں اکثر ایسے تھے جن کے رخساروں پر آنسوؤں کی لڑی تھی۔" (البدایہ ج ۹ ص ۲۱۲، ۲۱۳)

ب ۔ شوریٰ :۔ اسلامی جمہوریت کی دوسری خصوصیت شوریٰ ہے کہ تمام معاملات عوام کے منتخب نمائندے مشورہ سے طے کریں۔ قرآن حکیم میں مومنین کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وامرھم شوریٰ بینھم (الشوریٰ : ۳۸) اور ان کے آپس کے معاملات مشورہ سے طے پاتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اسلامی ریاست کے خلیفہ کو فرمایا: وشاورھم فی الامر (آل عمران، ۱۵۹) کاموں میں ان سے مشورہ کیجئے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ماراَیت احداً اکثر مشورۃ لاصحابہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری)	میں نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو (معاملات میں) اپنے احباب سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔

...

موجودہ زمانہ میں قومی اور صوبائی اسمبلیاں یہی کام انجام دیتی ہیں۔

ایک وضاحت :۔ یہاں ایک ضروری امر کیطرف اشارہ کرتے چلیں کہ شوریٰ میں جو مسائل مشورہ سے طے پاتے ہیں وہ کس نوعیت کے ہوتے ہیں۔؟ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریاست کی مجلس شوریٰ یا اسمبلی میں صرف ان مسائل سے متعلق بحث وتمحیص ہوتی ہے جن کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہو۔ اور یہ مسائل دینی، معاشی، معاشرتی، سیاسی، تعزیری اور فوجی وغیرہ قسم کے ہو سکتے ہیں۔ حدیث اور تعامل صحابہ رضوان اللہ اجمعین سے یہی بات سامنے آتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ کی وفات کے بعد کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کا حکم قرآن میں ہو نہ آپ نے اس کے متعلق کچھ فرمایا ہو تو پھر ہم کیا کریں۔؟ آپ نے فرمایا: میری امت میں سے عبادت گذاروں اور اطاعت شعاروں کو جمع کرو اور ان سے مشورہ کرو مگر کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرنا۔ (رواہ روح المعانی ابن خطیب بغدادی)

ج۔ ارباب اقتدار کا معتمد علیہ ہونا: مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی جمہوریت کی تیسری بنیاد ارباب اقتدار کا معتمد علیہ ہونا ہے۔ یہ تو بات بالکل واضح ہے کہ جب عوام انہیں منتخب کریں گے اور وہ عوام کے صحیح معنوں میں نمائندہ بن کر کام کریں گے تو ان کے معتمد علیہ ہوں گے۔ اور اگر وہ عوام کی جائز خواہشات کا احترام نہیں کریں گے۔ تو بغاوت کا خطرہ ہوگا۔

اسلامی ریاست کے خلیفہ کے معتمد علیہ ہونے کا معاملہ ایسا نہیں جس کا جوڑ ذات پات یا رنگ ونسل کے ساتھ لگا دیا گیا ہو۔ یہ درست ہے کہ چند مسلمان سیاست دانوں مثلاً ماوردی، ابن خلدون وغیرہ نے ایک ہردلعزیز اور قابل اعتماد خلیفہ کی کچھ شرائط مقرر کی ہیں۔ مگر ان کی حیثیت

ثانوی ہے۔ اسلام کا نظام ریاست میں معتمد علیہ اس خلیفہ یا حاکم کو کہتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتا ہے۔ اگرچہ امیبا کرنے والا شخص ناک کٹا حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری شریف)

د۔ مساوات | مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست جمہوریت کی ایک نہایت اہم خصوصیت "مساوات" ہے۔ اسلام نے تمام اولاد آدمؑ کو بحیثیت انسان اور تمام امت محمدیہ کو بحیثیت مسلمان برابر قرار دیا ہے۔ یہاں لونی و لسانی اور ملکی و ملی امتیازات کی کوئی جگہ نہیں۔ یہاں امیر و غریب برابر ہیں۔ دراصل یہاں مسئلہ دولت زر کا نہیں دولت ایمان و عمل کا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً۔ (نساء: ۱)

تم سب کو ایک جان (حضرت آدمؑ) سے پیدا کیا۔ اسی (حضرت آدمؑ) سے اس کے جوڑے (حضرت حوا) کو پیدا کیا اور (اس طرح زمین میں) بہت سے مردوں اور عورتوں کو آباد کیا۔

یہاں اگر برتری اور فضیلت نام کی کوئی شے ہے تو وہ صرف انہیں اشخاص کو حاصل ہے جن کے سینے خوف خدا سے لبریز ہیں اور جن کے قول و عمل سے اللہ کا ڈر ٹپکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد (آدمؑ) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا اور پھر گروہوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک تم میں سب سے بزرگ وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے پہلے حکمران نے مکہ فتح کیا۔ تو اپنی امت (جو اس کی رعایا بھی تھی۔) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! خوب سن لو، فخر و ناز کا ہر سرمایہ اور خون اور مال کا ہر دعویٰ آج میرے قدموں کے نیچے ہے۔ اے قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہاری نخوت رعونت اور بزرگی آباء کے گھمنڈ کو دور کر دیا۔ اے لوگو! تم سب آدم علیہ السلام سے ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے تھے نسب کیلئے کوئی فخر نہیں۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت نہیں۔ تم میں معزز ترین وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔" (بخاری۔ فتح مکہ)

لیکن ایک بات یاد رکھئے یہاں اشتراکیوں کا "غیر فطری مساوات" نہیں جسے وہ زندگی کے ہر شعبہ میں ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ بلکہ قانونی مساوات ہے۔ ایک اور عرض کردوں اسلامی مساوات صرف حق اور قانون کی حد تک ہے۔ باقی معاملات میں اسلام نے انصاف کا درس دیا ہے۔ مگر یہ غیر فطری مساوات کے علمبردار کوئی تو مثال لائیں جسے اسلام کے نظام عدل و مساوات سے کوئی مناسبت دی جائے۔ ایک دفعہ ایک معزز گھرانے کی عورت چوری کرتی ہے، اب اس کا ہاتھ چوری کی پاداش میں کٹنا تھا تمام لوگ پریشان تھے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارش کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور غصہ سے انار کی طرح سرخ ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں: "تم میں سے پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان کا غریب جرم کرتا تو قانونی شکنجوں میں جکڑ دیا جاتا۔ اور امیر سے چشم پوشی برتی جاتی۔

والذی نفس محمد بیدہ لو سرقت فاطمۃ بنت محمد لقطعت یدھا۔ (مسلم)	اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چوری کرتی تو اسکا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔

عوام کے حقوق و فرائض کا تعین اسلامی جمہوریت کی آخری کڑی عوام کے حقوق و فرائض کا تعین ہے۔ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ مسلمان شہری اور ذمی (غیر مسلم رعایا) بنیادی انسانی حقوق ـــ شخصی آزادی، مذہبی آزادی، جان و مال کی حفاظت، قانونی مساوات، معاشرتی مساوات، انصاف اور بنیادی ضروریات کی فراہمی میں دونوں قسم کے شہری شامل ہیں۔ البتہ بعض امور میں مسلمانوں کو فوقیت حاصل ہے۔ مثلاً کلیدی اسامیوں پر فائز افسر کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

اس کے مقابلہ میں اسلامی ریاست اپنے شہریوں پر کچھ فرائض عائد کرتی ہے۔ وہ حکومت کے وفادار ہوں۔ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے وطن کا دفاع کریں۔ مکروہات کے استیصال اور معروفات کے فروغ میں اپنی حکومت کا تعاون کریں۔

خلفاء راشدینؓ نے اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ انہیں رعایا کے حقوق کا بہت زیادہ پاس تھا اور وہ اپنی رعایا کو صحیح معنوں میں اپنی اولاد سمجھتے تھے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کو اپنی رعایا کے حقوق کا کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ آپ کے فرمان سے لگائیے:

"میں کسی کو اس بات کا موقعہ نہیں دوں گا کہ وہ کسی کی حق تلفی کرے یا کسی پر زیادتی کر سکے جو شخص ایسا کرے گا میں اس کا ایک رخسار زمین پر رکھوں گا اور دوسرے پر پاؤں، یہاں تک کہ وہ حق کے آگے جھک جائے"۔

(بحوالہ اسلامی ریاست کے شہریوں کے حقوق و فرائض ص ۳ امین احسن اصلاحی)

مستشرقین نے خلفاء راشدینؓ کے طرز حکومت پر جو اعتراض کئے ہیں۔ ان میں ایک اہم اعتراض "ذمیوں کے حقوق کے عدم تحفظ" ہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لئے کہ یہ اعتراض کس قدر بے سروپا اور بودا ہے۔ "جزیہ" کے عنوان پر لکھی ہوئی مستقل کتب کا مطالعہ فرمائیے۔ یہاں صرف چند تاریخی شہادتوں پر اکتفا کیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس کے الفاظ یہ تھے:

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے اس طرح پر ان کے گرجوں میں سکونت اختیار کی جائے نہ انہیں گرایا جائے گا۔ نہ ان کو اور ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے اموال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں نہ ان پر جبر کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔"

(ملاحظہ ہو تاریخ ابو جعفر طبری۔ فتح بیت المقدس)

حضرت حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھ کر دی اس میں یہ الفاظ تھے:

"ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا۔ اور اس میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی۔"

(طبری ص ۲۶۳۲)

اسی قسم کے معاہدات جرجان، آذربائیجان اور ترقان والوں کو لکھ کر دئیے گئے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طبری صفحہ ۲۶۵۸ تا ۲۶۶۲ اور طبقات ابن سعد جلد نمبر ۵ صفحہ ۲۴۹۔ ہم نے اختصار سے کام اس لئے لیا ہے کہ یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔

۳۔ فلاحی یا خادم خلق ریاست: اسلام کا نظام حکومت دنیا کا بلا شبہ پہلا نظام ہے جو "فلاحی ریاست" کا تصور پیش کرتا ہے۔ اسلام کے پھیلاؤ کی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلامی جہاد کا مقصد جہاں اشاعت حق تھا وہاں معاشی ناہمواریوں کا استیصال بھی تھا۔ نجاشی شاہ حبشہ

کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر اور یرموک کے میدان میں رومی جرنیل باھان کے مقابلہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا خطبہ اس امر کا بین ثبوت ہے۔ (ملاحظہ ہو سیرت النبی شبلیؒ اور فاروق اعظم از شبلیؒ)۔

اقوام عالم نے اسلام کی جن خوبیوں کو وجہ پسندیدگی بتایا ہے۔ ان میں ایک نہایت اہم یہ تھی کہ اسلام ایک ایسی ریاست کا داعی ہے۔ جو تمام معاشی ناہمواریوں کا استحصال کرے گی۔ لہذا لوگ اپنی معاشی پریشانیوں کا حل تلاش کرنے کے لئے دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ہم یہ بات نہایت اطمینان اور وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر آج بھی اسلام کا نظام معیشت اپنا لیا جائے تو سوشلزم اور کیپٹلزم کے پیدا کردہ غموم کے بادل آن کی آن میں چھٹ جائیں۔

اسلام کا تصور خلافت میں صرف یہی نہیں کہ خلیفہ یا والیِ ریاست اندرون ملک امن و امان قائم کرے، بیرونی حملوں سے دفاع کرے، بلکہ اس کی اصل ذمہ داری، عوام کی زندگی کے ہر شعبہ میں خیر کو فروغ دینا ہے۔ اور اس نیک کام کی راہ میں جو رکاوٹیں پیدا ہوں انہیں بیخ و بن سے اکھاڑ دے۔ معاشی اونچ نیچ کا خاتمہ کرے، عوام کی بنیادی ضروریات کی کفالت کرے۔ غربت و افلاس، فقر و فاقہ اور ظلم و تعدی کے تمام چور دروازوں کی ناکہ بندی کر دے اور ایک صالح اور معاشی فکر سے آزاد معاشرہ کی تشکیل کرے۔

اس صالح اور معاشی فکر سے آزاد معاشرہ کے قیام کے لئے اسلام ہر فرد میں معاشی جدوجہد کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ قرآن و حدیث میں معاشی تگ و تاز کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ پھر انفرادی ملکیت کا حق دے کر مسلمان کو ایک معاشی فکر سے آزاد اور باعزت زندگی گذارنے کی تلقین ہوئی۔

پھر اسلام نے ہر شخص کو یہ درس دیا کہ اسکی دولت میں اسکی ذاتی محنت کے علاوہ اس کے دوسرے غریب بھائیوں کا تعاون بھی شامل ہے۔ لہذا اپنی جائز ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی حاجات کا بھی خیال رکھے۔ "فی اموالھم حق للسائل والمحروم"۔ ایسے اشخاص جو دولت کے انبار لگاتے ہیں، مگر غرباء کی ضروریات کی کفالت نہیں کرتے ان کے لئے سخت ترین وعید آئی۔ سورہ توبہ کی آیت والذین یکنزون الذهب والفضة۔ الخ میں ایسے ہی اشخاص کیلئے تنبیہہ ہے۔

(باقی آئندہ)

جناب مولوی نور احمد صاحب
ترجمہ : رحمان مذنب

ٹیکنالوجی اور صنعتی فنون میں اسلام کا حصہ

اسلام کے پھیلنے سے کئی مغربی ملکوں نے سائنسی علوم کے تمام شعبوں میں نامور مسلمانوں سے استفادہ کیا۔ مغرب نے ان علوم سے عملی طور پر صنعتی فنون اور ٹیکنالوجی میں بھی فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں کو کاغذ سازی، پارچہ بافی اور دھات کے کام میں جو مہارت حاصل تھی اس سے ان ملکوں کے باشندوں کو خاطر خواہ فائدہ پہنچا جو مسلمانوں کے زیر نگیں رہے۔ پھر مسلمانوں کی خوشحالی سے یورپی تجارت کو زبردست تحریک ملی۔ اسطرح مغربی دنیا کے کئی حصوں میں معیار زندگی بلند ہوا

کاغذ سازی مسلمانوں نے آغاز ہی میں جن صنعتوں میں مہارت پیدا کی ان میں کاغذ سازی شامل ہے۔ آٹھویں صدی میں ہی سمرقند میں نہایت نفیس قسم کا تحریری کاغذ بنتا تھا۔ بغداد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ۷۹۴ء میں یہاں کاغذ کا پہلا کارخانہ لگا۔ اس کے بعد تمام سرکاری دفاتر میں کاغذ نے چرمی پارچے کی جگہ لے لی۔ مسلمانوں کے دوسرے شہروں میں مختلف قسم کے سفید اور رنگین کاغذوں کے کارخانے کھولے گئے۔ جہاں میں سبزیوں سے کاغذ بنانے اور شام میں بہترین قسم کا کاغذ تیار کرنے کے کارخانے قائم کئے گئے۔ طرابلس کاغذ کی نفیس اقسام کے لئے مشہور تھا، مصر میں کاغذ بنانے کے پہلے کارخانے نویں صدی عیسوی میں کھولے گئے۔ دسویں صدی کی ابتدا میں نہ صرف بغداد بلکہ تمام دنیائے اسلام میں کاغذ نے چرمی پارچے کی جگہ لے لی تھی۔ اب تک کاغذ پر تحریر کیا ہوا قدیم مسودہ احادیث کے موضوع کی وضاحت کے بارے میں ہے۔ اس کا نام "غریب الحدیث" ہے۔ اور ابوعبید کی تالیف۔ اس کی تاریخ ۸۶۶ شمسی خیال کی جاتی ہے۔ اسے ہالینڈ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ کہ یہ وہاں لیڈن کی یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

بعد ازاں کاغذ سازی کی صنعت مراکش پہنچی اور وہاں اسلامی مملکت ہسپانیہ میں ۱۱۵۰ شمسی

کے لگ بھگ پھیلی۔ ہسپانیہ ہی وہ ملک ہے جس کی وساطت سے یورپ میں کاغذ بنانے کا طریقہ رائج ہوا ہے۔ انچ کریمر لکھتا ہے:

"تیرھویں صدی میں مسلمانوں کے ذریعے کاغذ سازی کی صنعت یورپ میں آغاز پذیر ہوئی۔ مدتوں کاغذ سازی کی صنعت پر اسلامی مملکت ہسپانیہ کے شہر ویلینشیا (بلنسیہ)[1] کے نزدیک اس کی اجارہ داری قائم رہی۔ پھر یہاں سے یہ صنعت کیٹلونیا (قطلونیہ یا قیطلونیہ) اور فرانس میں پہنچی۔"

یہ امر دلچسپی کا موجب ہوگا کہ ۱۴۵۰ء میں طباعت کی ایجاد کے بعد کاغذ کی مقدار بڑھتی چلی گئی۔ کاغذ کی ایجاد کا سہرا سمرقند کے مسلمان کاغذ سازوں کے سر ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ سستا کاغذ ملنے سے امریکہ اور یورپ میں جو تعلیم عام ہوئی تو وہ دراصل مسلمانوں کی دریافت کی مرہون منت تھی۔

ازمنۂ وسطیٰ کے قرطبہ کی "کتاب منڈی" پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک نامور یورپی مورخ یوں رقمطراز ہے:

"لکھنے والے کاغذ کی مقامی صنعت ہی کی بدولت ایسا ہو سکا ہے کہ اندلس میں کتابوں کے انبار لگے پڑے ہیں۔ یہ اسلام ہی کا کارنامہ ہے، جس سے یورپ کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچا۔ کاغذ کے بغیر متحرک ٹائپ کی چھپائی کامیاب ہوتی نہ کاغذ اور طباعت کے بغیر یورپ میں عام تعلیم رائج ہو سکتی۔"

اس تاریخی حقیقت کا لسانیاتی ثبوت یہ ہے کہ انگریزی کا لفظ ریم[2] "قدیم فرانسیسی لفظ RAYME سے ماخوذ ہے۔ یہ فرانسیسی لفظ ہسپانوی لفظ "ریسما" سے لیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ عربی لفظ رزمہ سے ماخوذ ہے۔

---

[1] مشرقی اندلس کا ایک شہر بھی ہے اور صوبہ بھی۔ بنی امیہ کے زمانے میں یہ ایک بڑا علاقہ تھا۔ یہاں ایک جھیل ہے جسے البفیرہ کہتے ہیں۔ یہ البحیرہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مسلمانوں نے زرعی ضرورت کے لئے آبی ذخیرے اور حوض بنائے تھے۔ ریشم کے کیڑے پالے جاتے۔ اہل عرب کے تسلط کے باعث عربی کا اتنا رواج ہوا کہ ان کے بعد بھی اسی زبان میں انجیل پڑھائی جاتی۔ عربی کے الفاظ آج بھی لوگوں کی بول چال میں پائے جاتے ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات مختلف شکلوں میں ملتے ہیں۔ اندلس کے تمام شہروں میں سب سے زیادہ دلکش یہی شہر تھا۔ اسے خوشبوؤں کا شہر کہتے تھے۔ بڑے بڑے باکمال انسان یہاں ہوئے۔ (مترجم)

[2] REAM کاغذ کا گٹھا جس میں بالعموم پانچسو تختے ہوتے ہیں۔

ہسپانیہ میں اسلامی صنعتی مرکز | عہد اسلام میں ہسپانیہ یورپ کا سب سے مالدار، خوشحال اور گنجان آباد ملک تھا، اس کا دارالحکومت اپنے تیرہ سو پارچہ بافوں پر نازاں تھا۔ اون اور ریشم کے کپڑے قرطبہ، مالقہ[1] اور المیریا[2] (المریہ) میں تیار کئے جاتے تھے۔ المیریا ہی میں کانسی کے برتن اور شیشہ بنایا جاتا تھا ویلنیشیا میں پیڑنا کے مقام پر برتن بنتے تھے۔ یہ تو بلکہ برتنوں کا گھر تھا۔ جیلن اور الغزیب سونے اور چاندی کی کانوں کے لئے مشہور تھے۔ اسی طرح قرطبہ سیسے کے لئے مشہور تھا۔ یہ دھاتیں طلیطلہ کی ایک بڑی صنعت میں کھپتی تھیں یہاں نہایت نفیس قسم کی منقش تلواریں بنتی تھیں۔

پہلے دمشق نے شہرت پائی، پھر اسی طرح طلیطلہ نے تلواروں کی صناعی اور دلفریبی کے باعث نام پایا۔ یہ تلواریں فولاد سے تیار کی جاتیں۔ ان میں سونے اور چاندی سے پھول بوٹے بنائے جاتے۔ یہ فن پہلے دمشق میں رائج ہوا اور نام کی رعایت سے دمشقین کہلایا۔

یہی ہنرمندی دھات کے کام میں دکھائی گئی ہے جس سے جواہرات کی صنعت کو فروغ ملا۔ اس کے لئے مالقہ سے قیمتی یاقوت حاصل کئے جاتے۔ سنتے ہیں کہ بازو بندوں، بروچوں اور ہاروں کے علاوہ سنار شجر طلائی ایسے غضب کے نازک زیور بناتے تھے۔ پھر مسلمان ریاضی دانوں نے جو گھڑیاں بنائیں ان کے لئے نہایت خوشنما خانے اور خول تیار کرتے تھے۔

اسی طرح ہم چمڑے کی صنعت میں مسلمانوں کی کاریگری اور ڈیزائن کی خوبی اور اعلیٰ معیار دیکھ سکتے ہیں۔ ہسپانیہ کے کاریگروں نے مراکش سے چمڑے کی دباغت اور اس میں نقش ابھارنے کا کام سیکھا۔ ان آسائشی صنعتوں کے پہلو بہ پہلو ہسپانیہ میں عطرسازی کی صنعت نے بھی بہت زیادہ فروغ پایا تھا۔

---

[1] MALAGA جنوبی اندلس کے ایک صوبے اور دارالحکومت کا نام ہے۔ رومن نام "مالاکا" تھا۔ مالقہ میں نمک کی ایک جھیل ہے۔ یہاں لوہے اور سیسے کی کانیں ہیں۔ ۷۱۱ء میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ اسے بڑا شہر اور بندرگاہ بنادیا۔ یہاں کی شراب بہت مشہور تھی۔ نہایت نفیس اور قیمتی کپڑا بنایا جاتا جس کی قیمت بعض اوقات ہزاروں درہم ہوتی (مترجم

[2] جنوبی اندلس کا ایک شہر یہاں پہاڑوں کے کئی سلسلے اور کئی وادیاں ہیں۔ قدرتی ذخائر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ تانبے، لوہے، پارے، جست، گندھک کی بہترین کانیں ملتی ہیں۔ سنگ مرمر بھی نکلتا ہے۔ پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ یہاں مسلمانوں نے جہاز سازی کے کارخانے اور اسلحہ خانے بنائے۔ ریشم کے آٹھ سو کارخانے تھے۔ پھلواڑیاں باغ اور پن چکیاں تھیں۔

جڑاؤ کام | طلیطلہ کے کاریگروں کا نقش گری کا فن کئی دوسری شکلوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔
کافی لوگوں کا خیال ہے کہ قیمتی پتھر جڑنے کا فن اطالیہ میں آغاز پذیر ہوا، لیکن درحقیقت اسکی تکنیک مسلمانوں کو کئی صدی پہلے سے معلوم تھی۔ فلورنس میں تو اس کا رواج ۱۵۱۰ شمسی میں ہوا۔

یورپ میں مسلمانوں کی دستکاریوں کا فروغ پارچہ بافی مسلمانوں کی سب سے بڑی دستکاریوں میں سے ایک تھی۔ جے۔ ایچ کریمر لکھتا ہے:

"یہ مسلمان کاریگر ہی تھے جن کے سر فرانس اور اطالیہ میں پارچہ سازی کی صنعتیں قائم کرنے کا سہرا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ مسلمانوں کی خوشحالی کے طفیل صنعتی فنون کو عروج ملا۔ اس دور میں مصنوعات کا رنگ روپ جمالیاتی اعتبار سے بے نظیر تھا۔"

یہ انوکھی حقیقت قابل توجہ ہے کہ ازمنۂ وسطیٰ میں جرمنی کے شاہنشاہ کے ملبوسات پر عربی عبارت لکھی ہوتی۔

ایک اور یورپین مستشرق بتاتا ہے کہ مسلمانوں کے بنے ہوئے کپڑے بے حد خوشنما ہوتے تھے اس قدر خوشنما ہوتے تھے کہ جنگ صلیب وہلال میں لڑنے والے سپاہی اپنے دشمنوں اور حریفوں کے بنے ہوئے کپڑوں کو ترجیح دیتے اور انہیں پہنتے۔

اسلامی دور کے صنعتی فن و ہنر نے نفاست میں اعلیٰ پائے کا وصف پا لیا تھا۔ قالین بافی نے خصوصیت سے ترقی کی۔ مصر اور شام میں مسلمانوں کی کھڈیوں سے ریشم کے جو آرائشی دھاگے تیار کئے جاتے یورپ میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوتی۔ جنگ صلیب وہلال میں حصہ لینے والے مسیحی سپاہی اور دیگر اہل مغرب تمام کپڑوں پر انہیں ترجیح دیتے اور مسیحی اولیاء کے تبرکات ان میں لپیٹ رکھتے۔

عہد اسلام میں کپڑے کی صنعت درحقیقت بہت وسیع پیمانے پر مروج تھی۔ بارھویں صدی میں بغداد میں ایک دھاری دار دھاگہ بنا تھا جسے اتابی کہتے تھے۔ ہسپانیہ میں اس کی نقل کی گئی۔ یہی اطالیہ میں مقبول ہوا جہاں اس کا تجارتی نام "تابی" رکھا گیا۔ طسطائی اور السوس خبستان میں کئی ایسے کارخانے قائم کئے گئے جن میں سونے کے تاروں کی کشیدہ کاری والا کپڑا تیار کیا جاتا۔ انہی کارخانوں میں سے جنگ صلیب و ہلال کے مسیحی لشکریوں کے لئے ملبوسات آتے۔

اگرچہ عربوں کی کپڑے کی تجارت بہت وسیع تھی پھر بھی مغرب کی منڈیوں کی روز افزوں مانگ (مسلمانوں کے) کارخانے پوری نہ کر پاتے، چنانچہ دستی کھڈیوں اور گھریلو صنعت سے کارخانوں کی رسد پوری کی جاتی۔ یہی حال قالینوں اور نفیس پیلدکاری کا تھا۔ ہر طول و عرض اور ہر قیمت کے قالین برآمد کئے

جاتے۔ گراں ترین قالینوں میں سے ایک کی قیمت ایک کروڑ تیس لاکھ ڈالر معلوم ہوئی ہے۔

کپڑے اور قالین کی صنعتوں میں بھی رنگ روپ اور ہنرمندی کا وہی اعلیٰ معیار پایا جاتا جو مسلمانوں کی دوسری دستکاریوں میں پایا جاتا۔ ایک معروف یورپی مستشرق کے الفاظ میں مصنوعات کے میدان میں انہوں (مسلمانوں) نے انواع و اقسام، ڈیزائن کی دلفریبی، ہنرمندی اور مہارت میں تمام دنیا کو پیچھے چھوڑ دیا۔ وہ تمام دھاتوں۔ سونے، چاندی، تانبے، کانسی، لوہے اور فولاد پر کام کر لیتے۔ پارچہ بافی کے دھاگوں کی صنعت میں انہیں کبھی کسی نے مات نہیں کیا۔ وہ نفیس ترین قسم کا شیشہ اور برتن بناتے رنگ سازی اور کاغذ سازی کے اسرار و رموز سے آگاہ تھے۔ انہیں چمڑہ بنانے کے کئی کئی طریقے آتے تھے۔ اور یورپ بھر میں ان کے کام کا شہرہ تھا۔

مذکورہ بالا شیشے کی صنعت کا مرکز دمشق تھا۔ جہاں اعلیٰ درجے کے بلوری ظروف تیار ہوتے بافسوس تیمور نے اسے برباد کیا۔ دمشق میں مسجدوں کے لئے خاص چراغ تیار کئے جاتے اور پھر دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں بھیجے جاتے۔ دمشق ہی وہ شہر تھا جہاں سے شیشے کی صنعت وینس پہنچی ۔۔۔ مسلمانوں ہی نے اطالوی کاریگروں کو کام کے اسرار و رموز بتائے۔

مسلمانوں نے یورپ میں صرف نئی صنعتیں ہی قائم نہیں کیں بلکہ وہاں سے وہ ایسی خام اشیاء بھی لے لیتے جو ان کے اپنے ملکوں میں ناپید تھیں۔ مثلاً عنبر بحیرۂ بالٹک کے ساحل سے اور پوستینیں روس سے منگواتے۔ بغداد ایسے شہروں کی منڈیوں میں جس انداز سے یورپ کے انتہائی شمالی علاقوں کی خام اشیاء پہنچیں۔ اس پر پروفیسر ہیل نے خاص توجہ دی ہے۔ خام اشیاء کے عوض عرب ان علاقوں کو اپنی مصنوعات بھیجتے۔

پروفیسر ہیل کے بقول عرب ان ملکوں (روس، شمالی یورپ) کو بنی ہوئی چیزیں جواہرات، دھات کی آرسیاں، بلوری منکے، گرم مسالا اور مچھلی مار علم مہیا کرتے۔ درآمد اور برآمد پر اچلتی ہوئی نظر ڈالنے سے اسلامی سلطنت کی تہذیبی برتری عیاں ہوتی ہے۔ شمال کو اس کے خام مال کے عوض اسلامی سلطنت مصنوعات بھیجتی۔

- مصائب کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔	حضرت علیؓ
- موت سے بڑھ کر کوئی سچی اور امید سے بڑھ کر کوئی جھوٹی چیز نہیں۔	"
- تھوڑا علم فسادِ عمل کا موجب ہے اور صحتِ عمل صحتِ علم پر منحصر ہے۔	"

مولانا عبدالسلام ہوشیارپوری
لائل پور

مولانا عبید اللہ سندھی رح
اور
میری یادداشت

۱۹۳۴ء کا موسم بہار تھا مراکز اسلام کے چمنستان کی سیر نصیب ہوئی۔ الحمدللہ رب العالمین اس مبارک سفر میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح کی زیارت، مجالست اور مکالمت سے شرف اندوز ہوا۔ کچھ یادیں محفوظ ہیں۔ ہدیہ احباب ہیں۔

مولانا کا معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد باب عمرہ کے سامنے بیٹھا کرتے تھے وہیں ملنے والے حاضر ہو جاتے۔ اور علوم و معارف کے فیضان سے مشرف ہوئے۔

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آدمی کو چاہیئے کہ ہمیشہ دو بزرگوں سے تعلق رکھے۔ ایک وہ جو علوم میں کامل ہو۔ دوسرا وہ جو معرفت میں مکمل ہو۔

ایک مرتبہ تفاسیر کا ذکر ہو رہا تھا، ایک حاضر باش مدراسی مولوی صاحب نے حضرت حکیم الامت مرشد تھانوی قدس سرہ کی تفسیر "بیان القرآن" کا ذکر کیا۔ فرمانے لگے ہم میں اور ان میں اختلاف ہے۔ مگر ایسا اختلاف جیسے ہم اس طرف کعبہ کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ اور دوسرا شخص ہمارے بالمقابل باب السلام سے داخل ہو کر قبلہ رخ بیٹھے۔ اس طرح اگرچہ اس کا رخ ہمارے مخالف طرف ہوگا۔ مگر وہ ہوگا کعبہ ہی کی طرف۔ احقر عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ یہ کتنی اچھی مثال ہے۔ اختلاف امت کی، یہ نکتہ اگر پیش نظر رہے تو امت کے کتنے ہی اختلاف دور ہو جائیں۔

جب ہر شخص کا قصد اتباع شریعت ہو، مقصود رضائے حق ہو اور استنباطات قرآن و حدیث ہی سے ہوں تو ایسے اختلاف کو برداشت کرنا چاہیئے۔ مکہ معظمہ میں ایک صاحب تھے اسماعیل جہندس امرتسر کے رہنے والے تھے، انہوں نے ایک دن حضرت مولانا کو کھانے پر بلایا

اور ساتھ ہی مولانا اختر علی خاں مرحوم کو بلایا اور ناچیز بھی حکماً حاضر ہوا۔ وہاں پر مولانا اختر علی خان مرحوم سے فرمانے لگے آپ کے اخبار کا نام تو زمیندار ہے۔ اور زبان لکھنؤ کی استعمال کرتے ہیں۔ مقصود یہ تھا کہ عوام کی تفہیم آسان زبان میں ہونی چاہیئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تعلیم کو عام کرنے کے لئے ابتدا میں مرکب الفاظ کو ابجد کے الگ الگ حروف سے لکھنے کی مشق ہونی چاہیئے۔ جسطرح انگریزی الفاظ لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا کو اپنے استادِ محترم حضرت اقدس شیخ الہند محمود الحسنؒ سے بہت زیادہ تعلق خاطر تھا کوئی دن اور کوئی مجلس حضرت الاستاد قدس سرہ کے ذکرِ مبارک سے خالی نہ جاتی تھی۔ ایک دن فرمانے لگے۔ کہ دیوبند پہنچنے سے پیشتر ہمیں ایک شخص سے محبت تھی اس کا تصور ہمیشہ پیش نظر رہتا تھا۔ جب دیوبند پہنچے اور حضرت الاستاذ کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑی تو اس شخص کا تصور فوراً ہی دل سے ایسا غائب ہوا، پھر کبھی سوچنے سے بھی یاد نہ آیا۔

ایک موقعہ پر فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے علوم کو سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے حضرت شیخ الہندؒ کی کتابیں دیکھو۔ پھر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرو۔ اس کے بعد حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے علوم سے استفادہ کرو۔ پھر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے واسطے سے امام ولی اللہؒ کے علوم کو سمجھو۔

ایک موقعہ پر فرمایا پہلے ہم سمجھتے تھے کہ امام ولی اللہ کی کتابوں میں کوئی غلطی نہیں ہے پھر انکی بعض بڑی بڑی غلطیوں کا علم ہوا۔ اس سے انکی عظمت میں تو کوئی فرق نہیں آیا بلکہ نبوت کے متعلق عقیدہ زیادہ صاف اور روشن ہوگیا۔ فرماتے تھے کہ خیر القرون کے بعد امام ولی اللہؒ جیسا شخص امت میں پیدا نہیں ہوا۔

ایک موقعہ پر فرمایا کہ مدتِ دراز تک غیر ممالک میں رہنا ہوا مگر ہم نے کسی زبان کے سیکھنے کیطرف توجہ نہیں کی اس لئے کہ جو قوت زبان سیکھنے میں صرف کرنی ہے وہ علوم میں خرچ کی جائے اور گفتگو بذریعہ ترجمان بھی ہوسکتی ہے۔

حضرت مولانا سندھیؒ کے متعلق یہ میری یادداشت تھی جو عزیزِ گرامی قدر محمد انوار کلیم کے تقاضائے شدید سے تحریر میں آئی۔ اس سب مضمون میں مفہوم حضرتؒ کا ہے۔ اور ترجمانی اس ناچیز کی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات عالیہ جنت الفردوس میں بلند فرمائیں اور ملتِ مرحومہ کی خدمت گذاریوں اور فدیوں کا اعلیٰ صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔ ■■

افکار و تاثرات

- فلمی اشتہارات
- ہفتہ وار تعطیل
- دار المطالعہ اوقاف

★ عریانی و نیم عریانی کے متعلق پہلے بھی متعدد حضرات قلم اٹھا چکے ہیں۔ اور اٹھاتے رہتے ہیں۔ اب صوبہ سرحد کی حکومت خاص طور پر اور دوسرے صوبوں کی حکومتیں تمام طور پر اسلامی ماحول اور آئین کے تیار کرنے کے وعدے کر رہی ہیں اور کر چکی ہیں۔ میں اس موقع پر اس موضوع کی طرف تمام حکومتوں، صوبائی و مرکزی کی توجہ مرتکز کرتا ہوں اور التماس کرتا ہوں کہ اس موضوع پر توجہ دیتے ہوئے ضرور کارروائی کی جائے۔ خاص طور پر فلمی اشتہارات کیطرف توجہ کی جائے۔ اور فلموں کی ایڈورٹائزمنٹ میں ایسی تصویروں پر پابندی لگائی جائے۔ جس سے لڑکوں، لڑکیوں اور نوجوانوں کے احساس لطیف اجاگر ہوتے ہیں۔ اور جو منفی ہیجان پیدا کرتی ہیں ان سے بے سمجھے بوجھے غلط راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ نہ صرف غلط راستے اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ معاشرے میں غلط ماحول کی ترویج کی بنیاد بنتے ہیں۔ وہ صرف فلم بین ہی نہیں بنتے بلکہ مختلف عریاں، نیم عریاں تصویریں جو کہ اخباروں میں ایڈورٹائزمنٹ کیلئے شائع ہوتی ہیں، پھاڑ لیتے ہیں اور پھر انکی فلم ایکٹرسوں وغیرہ سے والہانہ محبت ہی نہیں ہو جاتی بلکہ وہ ہر فیشن ایبل راہ چلتی لڑکی کیطرف غلط نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور اسطرح بڑھتے بڑھتے ان ہی میں سے اُچکے، بدتمیز، بدمعاش، تماش بین اور خدا جانے کیا کیا کچھ بنتے ہیں۔ اس لئے ایسے اشتہارات جن میں عریاں و نیم عریاں تصویریں، ایکشن پوز وغیرہ وغیرہ دکھائے جاتے ہیں، پر پابندی لگائی جائے۔ اور فلمی اشتہاروں کو سادا طور طریقے سے شائع کیا جائے تاکہ یہ تمام معاشرے میں بدنظمی پھیلانے کا ذریعہ نہ بنے۔

★ حکومت صوبہ سرحد نے اتوار کی بجائے جمعہ کے روز ہفتہ وار تعطیل مقرر کی ہے۔

یہ اسلامی ماحول پیدا کرنے کی طرف اہم قدم ہے اور قابلِ تحسین عمل ہے۔ دوسرے صوبوں کو بھی اسی طرح جمعہ کو ہفتہ وار تعطیل بنانا چاہیئے۔ نیز فلمیں جو کہ جمعہ کے روز سے چالو ہوتی ہیں کو جمعہ کی بجائے اتوار سے شروع کیا جائے تاکہ جمعہ کی تعطیل سے لوگ جمعہ کی نماز کی طرف توجہ دیں ورنہ جمعہ کے روز فلم بینی کا رواج زیادہ ہو جائے گا۔ اور اتوار کی بجائے جمعہ کو تعطیل فائدہ مند ہونے کی بجائے غلط نتائج پیدا کرے گی۔ اور اس سے اسلامی ماحول پیدا کرنے کی بجائے کچھ اور نتائج نکلیں گے۔ اس لئے میں صوبہ سرحد کی حکومت سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اس امر کیطرف بھی توجہ دیں۔ نیز دوسری صوبائی حکومتوں اور مرکزی حکومت کے اربابِ اختیار کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ ملک میں اسلامی ماحول پیدا کیا جائے۔ تاکہ لوگ اسلامی امور پر عمل پیرا ہونے میں دقت محسوس نہ کریں۔

★ راقم کو دار المطالعہ دربار حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور میں حاضری کا موقعہ ملا ہے۔ یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ ایک بہت بڑے دربار میں جو دار المطالعہ بنایا گیا ہے۔ اس سے کسی قسم کا بھی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ چند روزنامہ اخبارات تو پڑھنے کیلئے مل جاتے ہیں۔ لیکن مطالعہ کے لئے جتنی کتابیں رکھی گئی ہیں، ایک تو وہ تعداد میں بہت کم ہیں، دوسرا وہ الماریوں میں سجا کر رکھ دی گئی ہیں۔ الماریوں پر قفل لگے ہیں اور چابیاں ایک صاحب کے پاس ہیں جن کا دفتر شاہی مسجد میں علماء اکیڈمی میں ہے۔ اور وہ وہیں ڈیوٹی دیتے ہیں۔ نیز جو کتابیں ان الماریوں میں رکھی ہیں وہی کتابیں علماء اکیڈمی میں بھی موجود ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دار المطالعہ ملحقہ دربار حضرت داتا گنج بخشؒ صرف برائے نام دار المطالعہ ہے۔ اور اس سے اسلامی علوم کے مطالعہ میں کوئی مدد حاصل نہیں کی جاسکتی۔ ان دنوں حالات میں محکمہ اوقاف کے اربابِ اختیار سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اس دار المطالعہ کیطرف خاص توجہ دیں اور اسے عوام الناس کیلئے ایک مثالی دار المطالعہ بنائیں بلکہ عوام کی توجہ بھی اس دار المطالعہ کی طرف مبذول کروائی جائے تاکہ عوام کے اسلامی علوم کے مطالعہ کے ذوق و شوق میں اضافہ ہو۔ دار المطالعہ کی الماریوں کی چابیاں دار المطالعہ ہی میں ہونا ضروری ہیں ورنہ اس دار المطالعہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(محمد اسلم۔ ایم اے۔ اے ایم آئی ای ٹی (لنڈن)۔ لاہور)

اختر راہی ایم۔ اے (تاریخ، سیاسیات)

اسلامی معاشرت | مترجم: وحید الدین سلیم پانی پتی۔ ناشر: مکتبہ معاویہ ۲/۱۱ بی ون ایریا لیاقت آباد کراچی ۱۹۔ صفحات: ۱۳۶، کتابت و طباعت: دیدہ زیب۔ قیمت: ۷/ روپے

بعثتِ انبیاء کا ایک مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل تھا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو انک لعلیٰ خلقٍ عظیم۔ کے مخاطب تھے۔ آپ کا اسوۂ حسنہ امتِ مسلمہ کے لئے قابلِ اتباع تھا۔ سیاسی زوال کے ساتھ مسلمانوں کی اخلاقی اور تہذیبی اقدار بھی زوال کا شکار ہوگئیں اور آج ہماری زندگی میں اسلامی اقدار و شعائر کے پہلو بہ پہلو غیر اسلامی اقدار بھی پائی جاتی ہیں۔ اہلِ نظر قوم کی اخلاقی و تہذیبی انفرادیت کے محافظ رہے ہیں۔ ان ہی اہلِ نظر میں ایک مولانا وحید الدین سلیم پانی پتی تھے۔ انہوں نے آج سے ایک عرصہ پہلے مسلمانوں کی سیرت و کردار کی اصلاح کے لئے نبی اکرم کی زندگی بطور نمونہ پیش کرنے کے لئے زیرِ تبصرہ کتاب مرتب کی۔ اس کتاب میں انہوں نے حدیث کی مشہور اور معتبر کتاب "کنز العمال" سے "۴۴۹" احادیث کا انتخاب کیا ہے۔

پروفیسر محمد ایوب قادری نے "اسلامی معاشرت" کے موجودہ ایڈیشن میں ذیلی سرخیاں قائم کرکے کتاب کی افادیت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ پروفیسر صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نئی نسل کے اخلاقی انحطاط کو دور کرنے کے لئے ایسی عمدہ کتاب پیش کی ہے۔ کتاب کا مطالعہ ہر فرد کے لئے مفید رہے گا۔ لائبریریوں اور اصلاحی انجمنوں کے لئے اس کتاب کا حلقۂ اشاعت وسیع کرنا ضروری ہے۔

مرج البحرین (مترجم) | مؤلف: شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ۔ مترجم: ثناء الحق ایم۔ اے ملنے کا پتہ: مکتبہ معاویہ ۲/۱۱ بی ون ایریا۔ لیاقت آباد کراچی۔ قیمت: درج نہیں۔

برصغیر میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (م۔۱۰۵۲ھ) آئی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی

ہیں جو اشاعت حدیث میں سرگرم رہا۔ خانوادہ شاہ ولی اللہ سے پہلے علم حدیث میں ان کا کام بے نظیر ہے۔ شیخ موصوف نے کم وبیش ایک سو کتابیں لکھیں۔ وہ متبحر عالم اور صاحب دل بزرگ تھے۔ زیر نظر کتاب "مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین" ان کی بالغ نظری، اعتدال پسندی اور عمیق مطالعہ کی غماز ہے۔ شیخ موصوف نے شریعت وطریقت کو لازم وملزوم ثابت کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اگر ایک چھلکا ہے تو دوسرا مغز۔

فاضل مترجم ثناء الحق صدیقی نے رواں اور سلیس ترجمہ کیا ہے۔ تصوف کا ذوق رکھنے والوں کے لئے شیخ موصوف کی یہ تالیف بیش بہا تحفہ ہے۔ ترجمے کے ساتھ ساتھ ابتدائی نوے صفحات پر اصل فارسی متن پھیلا ہوا ہے۔

علمائے ساہو والا (سیالکوٹ) کا ایک غیر مطبوعہ تذکرہ ترتیب وتحشیہ: محمد اقبال مجددی
ناشر: دار المؤرخین محبوب پارک گلزار کالونی۔ چاہ میراں لاہور۔ صفحات: ۲۸ قیمت ۲۵/۱ روپیہ۔

زیر نظر تذکرہ پہلی بار زیور طباعت سے آراستہ ہوا ہے۔ ساہو والا ضلع سیالکوٹ کے قاضی رحیم الدین اور ان کی اولاد کے حالات اسی خاندان کے ایک فرد محمد شاہ نواز الدین احمد نے مرتب کئے تھے۔ بعد ازاں مولوی غلام حسین مرحوم نے نئی ترتیب دیکر اس تذکرے کا تاریخی نام "شہرہ شجرۂ طین" رکھا۔ مولوی غلام حسین مرحوم کا مکتوبہ نسخہ مولانا عبد الرشید سیالکوٹی کے کتب خانے کی زینت ہے۔ جو جناب محمد اقبال مجددی کی ترتیب وتحشیہ کے ساتھ سہ ماہی صحیفہ کے "ادبیات فارسی نمبر" میں طبع ہوا۔ افادۂ عام کی خاطر دار المؤرخین نے علیحدہ کتابچے کی صورت میں شائع کر دیا ہے۔ جناب مرتب کے حواشی سے تذکرے کی قدر وقیمت دوچند ہو گئی ہے۔ علمائے پنجاب کے حالات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے تذکرہ قابل مطالعہ ہے۔

◆ ◆ ◆